اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ (الانفطار:6)

وقالَ اللّٰہ تعالیٰ فی مَقامٍ اٰخر

اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُ وْفٌ رَّحِیْمٌ (الحج:65)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اللہ رب العزت کی بہت سی صفات ہیں۔ اگر ساری دنیا کے درخت قلمیں بن جائیں اور ساری دنیا کے سمندر سیاہی بن جائیں اور ان قلموں اور سیاہی سے اللہ تعالیٰ کی تعریفیں لکھنی شروع کی جائیں تو ایک وقت آئے گا کہ یہ قلمیں ٹوٹ جائیں گی اور یہ سیاہی ختم ہو جائے گی لیکن اللہ رب العزت کی تعریفیں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔

قدردانی کسے کہتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ کی صفتوں میں سے ایک صفت یہ ہے کہ وہ قدردان ہے ......قدردانی کسے کہتے ہیں؟ ......دوسرے کے اوپر محبّت کی وجہ سے اتنا مہربان ہونا کہ اس کے عمل کو رد نہ کرنا اور اس کی توقع سے بڑھ کر اس کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کرنا قدردانی کہلاتا ہے۔

ایک تنگی کے بدلے دو آسانیاں:

اگر اللہ رب العزت اپنے بندوں میں سے کسی کے اوپر مشکل حالات بھیج دیتے ہیں تو ان حالات کے بعد اس کو پہلے سے بھی زیادہ بہتر حالات عطا فرما دیتے ہیں۔ اسی لئے ارشاد فرمایا:

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ○ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ○ (الانشراح:5-6)

بے شک ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے، یقیناً ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے

چونکہ ایک ہی بات کو دو دفعہ دہرایا گیا ہے اس لئے مفسّرین نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنی تنگی آتی ہے اگر بندہ اسے صبر کے ساتھ برداشت کر لے تو اللہ تعالیٰ اس سے دوگنی آسانیاں پیدا فرما دیتے ہیں۔

اسی مضمون کو کسی شاعر نے ایک شعر میں یوں بیان کیا:

إِذَا اشْتَدَّتْ بِكَ الْبَلْوٰى فَفَكِّرْ فِيْ أَلَمْ نَشْرَحْ
فَعُسْرٌ بَيْنَ يُسْرَيْنِ إِذَا فَكَّرْتَهُ فَافْرَحْ

جب تیرے اوپر سخت مصیبت آجائے تو الم نشرح میں غور کر کہ ایک تنگی دو آسانیوں کے درمیان ہے۔ جب تو غور کرے گا تو تیری مصیبت ختم ہو جائے گی اور تو خوش ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں اعمال کی قدر:

اللہ رب العزت اتنے قدردان ہیں کہ بندہ اگر چھوٹا سا بھی عمل کرے تو پروردگار اس کے عمل کو قبول فرما لیتے ہیں۔ حالانکہ بادشاہوں کا دستور ہے کہ لے جانے والا اگر کوئی چھوٹا سا تحفہ لے کر جائے تو وہ اپنی شان میں گستاخی سمجھتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہمارے پاس تحفے بھی بڑے آنے چاہئیں۔ مگر اللہ رب العزت ایسا کریم آقا ہے کہ ارشاد فرمایا،

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (الزلزال:7) جس بندے نے ذرہ کے برابر بھی نیک عمل کیا ہوگا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اس کا بھی اجر عطا فرمائے گا۔

قرآن مجید میں ایک دستور بتا دیا گیا ہے:

اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی (ال عمران: 195) بے شک تم میں سے کوئی مرد ہو یا عورت ہو میں اس کے کئے ہوئے عملوں کو ضائع نہیں کروں گا۔

اب ذرا اس مثال کو سمجھ لیجئے۔ جب دفتر میں کسی کلرک نے اپنے افسر کے سامنے کوئی لیٹر پیش کرنا ہوتا ہے تو وہ اس کو کئی دفعہ ٹائپ کرتا ہے۔ کبھی سپیلنگ کی غلطی ہو جاتی ہے اور کبھی پیرا گراف خوبصورت نہیں لگتا۔ اس طرح کئی کئی کاغذ ضائع ہو جاتے ہیں۔ بالآخر ایک فائنل کاغذ تیار ہو جاتا ہے۔ اس پر حکام بالا سائن (دستخط) کرتے ہیں۔ اگر وہ کلرک غلطیوں والا کاغذ ہی دستخط کرنے کے لئے پیش کر دے اور کہہ دے کہ جی میں نے ٹائپ کر دیا ہے اب آپ غلطیاں بھی ٹھیک کر دیں اور سائن بھی کر دیں تو کوئی حاکم بھی ایسا نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کی شان بھی ایسی ہی تھی کہ بندہ عمل کرتا اور اس میں کوئی غلطی ہوتی تو اللہ تعالیٰ بھی رد فرما دیتے اور کہہ دیتے، میرے بندے! جاؤ، مجھے بغیر غلطی کے عمل چاہیے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہمارا کیا بنتا؟ اگر کوئی آدمی نماز پڑھ رہا ہو اور اسے اس میں رکعتیں ہی بھول جائیں، دنیا کے خیالات میں اتنا محو ہو جائے کہ اسے یہ بھی یاد نہ رہے کہ میں کس رکعت میں تھا تو اب آدابِ شاہانہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس سے کہہ دیا جاتا کہ میرے بندے! تم میرے سامنے کھڑے ہو کر بھی اتنے غافل ہوتے ہو، اب نئے سرے سے نماز پڑھو، تمہاری یہ نماز قابلِ قبول نہیں۔ مگر پروردگارِ عالم نے یہ حکم نہیں دیا۔ اگر ایسا حکم کر دیتے تو ہم سارا دن نماز ہی پڑھتے رہ جاتے۔ پتہ نہیں کہ کوئی ایک نماز بھی ایسی پڑھ سکتے یا نہ پڑھ سکتے۔

جب بندہ بھول جاتا ہے تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے دل میں سوچے کہ میں نے کتنی رکعتیں پڑھیں۔ تین پڑھیں یا چار۔ ایک طرف غالب گمان کر لے اور پھر باقی رکعتوں کو پورا کرے۔ اگر آخر میں سجدہ

سہو کرلے گا تو اللہ تعالیٰ اس غفلت والی نماز کو بھی قبول فرمالیں گے۔اب حالانکہ اس کو نماز میں رکعتیں یاد نہیں رہیں۔جو بندہ نماز پڑھ رہا ہے اور اس کو رکعتیں بھی یاد نہیں تو اس کے لئے آسان سا حکم یہ تھا کہ نئے سرے سے نماز پڑھو مگر اس صورت میں بندے کی محنت ضائع جاتی۔اللہ تعالیٰ قدردان ہیں وہ بندے کی محنت کو ضائع نہیں کرنا چاہتے۔لہٰذا ایک اصول بنادیا کہ اگر واجب تک کے درجے کی کوئی غلطی ہو جائے تو آخر میں سجدہ سہو کر لینا۔ہم اسی نماز کو قبول کرلیں گے۔

اگر کوئی نماز میں رکعتیں بھول جائے۔اب وہ سوچے کہ میں نماز توڑ کر نئے سرے سے پڑھتا ہوں تو یہ شریعت کے حکم کے خلاف ہے کیونکہ نماز توڑنا گناہ ہے۔اسی نماز کو جتنا ممکن ہو سجدہ سہو کے ذریعے مکمّل کیا جائے تاکہ بندے کی عبادت ضائع نہ ہونے پائے۔یہ کیوں ہے؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ قدردان ہیں۔

ایک آدمی کو دشمنوں نے کسی ایسی جگہ پر پہنچا دیا کہ جہاں رات کے وقت سمجھ ہی نہیں لگتی تھی کہ قبلہ کس طرف ہے۔نماز تو وہاں بھی پڑھنی ہے۔آسمان پر بادل ہیں، اردگرد درخت ہیں اور سمجھ نہیں آتی کہ قبلہ کدھر ہے۔شریعت کہتی ہے کہ تم تحری کر کے ایک طرف غالب گمان کرلو، قیافہ لگاؤ کہ قبلہ کدھر ہے، جہاں دل مطمئن ہو جائے کہ قبلہ ادھر ہے تو اب تم اس طرف رخ کر کے نماز پڑھنی شروع کردو۔اب اس نے دو رکعتیں پڑھ لیں اور اس کے بعد بادل ہٹے تو چاند نکل آیا۔چاند کے نکلنے سے اسے احساس ہو گیا کہ قبلہ تو میری پیٹھ کے پیچھے ہے اور میں بالکل مخالف سمت میں نماز پڑھ رہا ہوں۔اب شریعت یہ نہیں کہتی کہ اب نئے سرے سے نماز پڑھو بلکہ شریعت یہ کہتی ہے کہ اگر اب تم نماز میں ہی اپنا رخ قبلہ کی طرف کر کے بقیہ دو رکعتیں اس سمت میں پڑھ لو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری چاروں رکعتوں کو قبول فرمالیں گے۔یہ قدردانی نہیں تو اور کیا ہے۔

سچے رب کا سچا وعدہ:

اللہ رب العزت کے ہاں ایک بہت ہی خوبصورت اصول ہے کہ بندے کو اس کی محنت کا بدلہ ضرور ملتا ہے۔ دنیا کے امیر اور وڈیرے لوگوں کے پاس ان کے ماتحت لوگ کام کرتے ہیں۔ وہ ان سے کام تو پورا لیتے ہیں لیکن ان کو ان کا حق پورا نہیں دیتے۔ جب کہ اللہ رب العزت بندے کی محنت کا بدلہ فوراً چاہتے ہیں۔ چنانچہ شریعت کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی مزدور مزدوری کرے تو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اسے اس کی مزدوری ادا کر دی جائے۔ اب یہاں ایک سمجھنے والی بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ محنت کش کی محنت کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اسے بدلہ دلوانا چاہتے ہیں تو جو بندہ اللہ کے لئے محنت کرے، اللہ تعالیٰ کی مزدوری کرے، اس کے دین کا کام کرے اور دینے والا بھی خود پروردگار ہو تو پھر پروردگار کتنا جلدی بدلہ عطا فرمائیں گے۔ بعض اوقات دنیا داروں کے پاس دینے کو کچھ نہیں ہوتا مگر اللہ رب العزت تو وہ ذات ہے کہ

وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (المنفقون:7) اور آسمان اور زمین کے خزانے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔

قیامت کے دن کوئی بندہ ایسا نہیں ہوگا جو کھڑا ہو کر یہ کہہ سکے کہ اے اللہ! میں نے یہ کام آپ کی رضا کے لئے کیا تھا اور مجھے اس کا بدلہ نہیں ملا۔ جو معزز مالدار لوگ ہوتے ہیں ان کے ہاں اگر کوئی کام کرتا ہو تو وہ سو روپے کی بجائے ایک سو دس روپے دے دیتے ہیں تاکہ کل کوئی بات نہ کر سکے۔ حیرت کی بات ہے کہ اگر دنیا کے مالدار لوگ جتنی اجرت بنتی ہو اس سے زیادہ دے دیتے ہیں صرف احسان جتانے کے لئے کہ وہ میرے بارے میں کوئی بات نہ کر سکے تو اللہ رب العزت اپنے بندوں کو کبھی یہ موقع نہیں دیں

گے کہ قیامت کے دن کوئی کھڑا ہو کر کہے کہ اے اللہ! میں نے تیرے لئے مزدوری کی مگر مجھے اس کا بدلہ نہیں ملا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ رب العزت بندوں کو ان کی امیدوں سے بڑھ کر بدلہ دیتے ہیں۔ یہ سچے رب کا سچا وعدہ ہے کہ تم میں سے کوئی مرد ہو یا عورت، میں عمل کرنے والے کے کسی عمل کو ضائع نہیں کروں گا۔ یہ ہمارے لئے حوصلہ افزاء بات ہے کہ پروردگارِ عالم اتنی قدردانی فرماتے ہیں۔

اگر ایک بچہ املا لکھے اور اس نے کوئی لفظ غلط لکھا ہو تو استاد کہتا ہے کہ پھر لکھ کر لاؤ۔ اگر استاد کہے کہ اچھا اس کو کاٹ کر یہیں پر لکھ دو تو اس کا مطلب ہے کہ استاد نے بڑی نرمی برتی ہے۔ اور اگر کسی کی ایک کی بجائے دو تین غلطیاں ہوں اور استاد بھی خوش خطی والا ہو تو وہ کہے گا، بھئی! جا کر پھر لکھ کر لاؤ۔ لیکن اگر وہی استاد ایک جگہ بھی ٹھیک کروا لے دوسری جگہ بھی ٹھیک کروا لے اور تیسری جگہ بھی ٹھیک کروا لے اور کہے کہ ہاں بس تو نے جو کچھ لکھا ہے مجھے قبول ہے تو اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ استاد اس شاگرد پر بہت ہی مہربان ہے کیونکہ وہ اس کی محنت کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ یہ رب کریم کی کتنی بڑی مہربانی ہے کہ وہ ہمارے ٹوٹے پھوٹے عملوں کو بھی قبول فرما لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدردانی کی مثالیں:

اللہ رب العزت بڑے قدردان ہیں۔ اس کی قدردانی کی چند مثالیں سن لیجئے۔

☆...سیدنا ایوب علیہ السّلام پر لطف و کرم

سیدنا ایوب علیہ السّلام اکثر عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا، اے پروردگارِ عالم! آپ کے یہ بندے اس لئے عبادت میں مشغول ہیں کہ ان کو آپ نے ہر قسم کی نعمت عطا فرمائی ہے۔ ان کے پاس گھر بھی ہے، گھر والی بھی ہے۔ اولاد بھی ہے اور باغات بھی ہیں۔ جب اتنی نعمتیں ان کے پاس ہیں تو یہ عبادت نہیں کریں گے تو اور کیا کریں گے۔ رب کریم نے فرمایا کہ اچھا، میں اپنے اس

بندے کو آزمائش میں ڈال دیتا ہوں۔ چنانچہ آگ لگی اور گھر جل گیا، بیوی بچے سب چھت کے نیچے آ کر مر گئے۔ اور جدھر باغات تھے ادھر سے زمین کے نیچے پانی کی نہر ختم ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سب باغات بھی ختم ہو گئے۔ خود سیدنا ایوب علیہ السّلام کو بیماری نے آلیا۔ اس کا تذکرہ قرآن پاک میں بھی ہے۔ وہ بہت عرصہ بیمار رہے مگر ان کی زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی جاری رہا۔

ایک مرتبہ کسی نے دیکھا کہ ان کی زبان ہل رہی ہے۔ اس نے کان قریب لگا کر سنا تو وہ یوں کہہ رہے تھے کہ ''اے اللہ! آپ نے مجھے جس حال میں رکھا میں آپ سے راضی ہوں، البتہ اتنی تمنا ضرور ہے کہ میری زبان کو سلامت رکھنا تا کہ آخری لمحات تک میں تیرا نام تو لیتا رہوں۔''

جب رب کریم نے آزمائش کو ختم فرما دیا تو دو کام کیے۔ ایک تو یہ کہ ان کی تعریف فرمائی اور تعریف کرنے کا حق ادا کر دیا۔ فرمایا،

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ○ (ص: 44) ہم نے انہیں صبر کرنے والا پایا، میرا کتنا اچھا بندہ تھا، وہ میری طرف رجوع کرنے والا تھا۔

اللہ رب العزت نے ان الفاظ کو قرآن مجید کا حصہ بنا دیا۔ جب جنت میں قرآن مجید کی تلاوت کی جائے گی تو سیدنا ایوبؑ کی تعریفیں وہاں بھی کی جائیں گی۔ گویا ایک فانی آزمائش پر ہمیشہ باقی رہنے والا انعام عطا فرما دیا۔

اور دوسرا کام یہ کیا کہ اللہ رب العزت نے ان کو صحت بھی عطا کر دی، گھر بھی دے دیا، باغات بھی دے دیئے، بیوی بچوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے لوٹا دیا اور جتنا کچھ تھا اللہ تعالیٰ نے کمالِ رحمت اور مہربانی سے اتنا اپنی طرف سے اور بھی عطا کر دیا۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے فرمایا

وَوَهَبْنَا لَهٗ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ (صٓ:43) اور بخشے ہم نے اس کو اس کے گھر والے اور ان کے برابر ان کے ساتھ اپنی مہربانی سے اور یاد رکھنے کو عقل والوں کیلئے۔

یہ ہماری طرف سے رحمت اور نعمت تھی اور اس میں سوجھ بوجھ والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں کہ اگر ہم کسی کو آزماتے ہیں اور وہ آزمائش میں صبر کے ساتھ وقت گزارتا ہے تو پھر ہم اس کے اندازے سے بڑھ کر اس کے ساتھ رحمت اور کرم کا معاملہ فرما دیتے ہیں۔ جیسے باپ سمجھانے کے لئے بچے کو ڈانٹ پلا دیتا ہے۔ ڈانٹ اس لئے پلاتا ہے کہ تربیت مقصود ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ باپ کو بیٹے سے محبّت بھی ہوتی ہے اس لئے اس محبّت کی وجہ سے تھوڑی دیر کے بعد بہانے سے آئس کریم بھی کھلا دیتا ہے۔ یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کا بھی ہے۔

ہم چھوٹے تھے تو کبھی کبھار گھر والے مجھے محلے کے بوڑھے دکاندار کے پاس کوئی سودا لینے بھیجتے، جب ہم اس سے سودا لے لیتے تو وہ سودے کے ساتھ بسکٹ یا کھانے کی کوئی چیز دیتا کہ بیٹا یہ کھالو۔ ایک دفعہ میں نے آکر اپنی والدہ صاحبہ سے پوچھا کہ یہ بڑے میاں سودا تو دیتے ہیں لیکن یہ کھانے کے لئے چیزیں کیوں دیتے ہیں۔ وہ کہنے لگیں کہ بیٹا! یہ تیرے والد کے بچپن کے دوست ہیں، ان کا ان سے اتنا گہرا تعلّق ہے جب تم اس کے سامنے جاتے ہو تو اسے یوں لگتا ہے کہ جیسے میرا اپنا بیٹا میرے پاس آیا ہے، وہ سودا تو گھر کے لئے دیتا ہے لیکن اس محبّت کی وجہ سے کچھ چیز بھی تمہیں کھانے کے لئے دے دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح کی مثال سمجھ لیجئے کہ اللہ رب العزت جب کسی بندے کو آزمائش میں ڈالتے ہیں یا کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے قربانی کرتا ہے تو پروردگارِ عالم اس بندے کی توقعات سے بڑھ کر اس کے

ساتھ رحمت اور کرم کا معاملہ فرما دیتے ہیں۔

☆...مشاطہ اور بی بی آسیہ پر نظرِ عنایت

فرعون کے محل میں ایک عورت مشاطہ تھی جو اس کی بیوی اور بیٹیوں کے بال سنوارتی تھی۔ گویا وہ ہیئر ڈریسر تھی۔ وہ ایک دن اس کی بیٹی کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی کہ اس کی کنگھی نیچے جا گری۔ اس نے اٹھاتے ہوئے موسیٰؑ کے پروردگار کا نام لیا۔ جب اس نے اللہ رب العزت کا نام لیا تو فرعون کی بیٹی حیران ہو کر کہنے لگی، تو موسیٰ کو مانتی ہے؟ جب بات کھل گئی تو وہ جھوٹ کیسے بول سکتی تھی۔ لہٰذا اس نے کہہ دیا کہ ہاں مانتی ہوں۔ وہ کہنے لگی، میں ابھی تیرا بندوبست کرواتی ہوں۔ چنانچہ وہ بھاگ کر گئی اور اپنے باپ فرعون سے کہا کہ تیرے محل میں کام کرنے والی عورت جس کی کوئی حیثیت ہی نہیں وہ بھی موسیٰ D کو نبی مان چکی ہے، اب آپ کی خدائی کا دعویٰ کیسا ہے؟ فرعون کو بڑا غصہ آیا۔ چنانچہ وہ کہنے لگا، میں ابھی اس کو ٹھیک کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے دربار لگایا اور اس عورت کو بلوا کر کہا کہ تم اپنی بات سے رجوع کر لو ورنہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔ وہ کہنے لگی،

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ (طٰہٰ:72) اب تو جو کچھ کر سکتا ہے کر لے۔

فرعون کو پتہ تھا کہ اس کی ایک دودھ پیتی بیٹی بھی ہے۔ چنانچہ اس نے اس عورت کو چومیخا کروایا۔ یعنی اسے زمین پر لٹا کر اس کے ہاتھ زمین پر رکھ دیئے گئے اور ہاتھ کے اندر سے ایک کیل زمین میں گاڑ دی گئی۔ اس طرح دونوں ہاتھوں میں بھی کیل گاڑھ دیئے گئے اور دونوں پاؤں میں بھی۔ وہ ہل بھی نہیں سکتی تھی۔ فرعون نے کہا، اب بتا۔ وہ کہنے لگی، میں اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹوں گی۔

فرعون کہنے لگا، اچھا، اس کی بیٹی کو بلواؤ۔ چنانچہ وہ چھوٹی سی معصوم بچی لائی گئی اور اسے اس عورت کے

سینے پر لٹا دیا گیا۔ جب بچی ماں کے سینے پر لیٹی تو اس نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ اس حالت میں اس کو کہا گیا کہ اگر تم اس بات کو نہیں مانو گی تو ہم اس بچی کو اسی حالت میں ذبح کر دیں گے......اب بتائیے کہ ماں کو اولاد سے کتنی محبّت ہوتی ہے اور جس ماں کے سینے پر اس کی چھوٹی سی معصوم بچی دودھ پی رہی ہو اور اسے ایسی دھمکی ملے تو اس کے دل پر کیا گزرے گی......مگر وہ کہنے لگی کہ میں اس بات سے پیچھے نہیں ہٹ سکتی۔ چنانچہ اس کی بیٹی کو اسی حالت میں گردن کاٹ کر شہید کر دیا گیا اور اس کا خون ماں کے سینے پر گرا......اللہ اکبر!......اس ماں کے دل پر کیا بیتی ہو گی۔ مگر اس نے اللہ کے لئے یہ قربانی دے دی۔

جب انہوں نے دیکھا کہ اب بھی نہیں مانی تو اس نے بچھو منگوائے......اس زمانے میں دشمن کو سزا دینے کے لئے شیروں، بچھوؤں اور سانپوں کو پالا جاتا تھا...... جب بچھو لائے گئے تو اس کے جسم سے کپڑے ہٹا کر بچھو چھوڑ دیئے گئے۔ اب زہریلے بچھوؤں نے اسے کاٹنا شروع کر دیا......ذرا سوچیں کہ اگر شہد کی مکھی کاٹ لے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ اگر چھوٹا سا بچھو بھی کاٹے تو کتنا درد ہوتا ہے اور اگر بڑے بڑے پلے ہوئے زہریلے بچھو کاٹیں تو پھر کیا بنے گا......وہ بے چاری تڑپتی رہی۔ بچھوؤں نے اسے اس قدر کاٹا کہ اسے اسی جگہ پر بالآخر موت آ گئی۔

فرعون جب یہ کام کر چکا تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس کے بعد وہ اپنے گھر آیا۔ اس نے آ کر اپنی بیوی سے کہا، دیکھا! یہ عورت مجھے نہیں مانتی تھی میں نے اسے کتنی عبرتناک سزا دی......اللہ کی شان، کہ فرعون کی زوجہ حضرت آسیہ بھی حضرت موسیٰؑ پر ایمان لا چکی تھیں چنانچہ اس نے کہا کہ تو بڑا بد بخت اور ظالم ہے کہ تو نے معصوم بچی کو بھی مروا دیا اور اس کی ماں کو بھی قتل کروا دیا، تجھے ذرا بھی دکھ اور احساس نہیں ہوا۔ جب اس نے لعنت ملامت کی تو وہ کہنے لگا، کیوں، کیا تو بھی موسیٰ کو مانتی ہے؟......ایمان بڑی عجیب نعمت ہوتی

ہے۔ یہ پھر چھپایا نہیں جا سکتا، وہ کہنے لگی کہ ہاں، میں بھی اس پر ایمان لا چکی ہوں۔ اس نے متعجّب ہو کر پھر پوچھا، تو میری بیوی ہو کر موسیٰؑ پر ایمان لے آئی۔ انہوں نے کہا، ہاں میں ایمان لے آئی ہوں۔ اس نے کہا، میں تجھے بھی سخت سزا دلواؤں گا۔ وہ کہنے لگیں، جو مرضی کر میں نہیں گھبراؤں گی۔

اب فرعون دوبارہ غصے میں بھرا ہوا واپس آیا اور دوبارہ دربار لگایا۔ وہ غصے میں آکر کہنے لگا کہ دیکھو ایک عورت کا ہم نے یہ حشر کیا، اب ایک اور ہے جسے میں نے لاکھوں عورتوں میں سے چنا کیونکہ وہ سب سے زیادہ خوبصورت تھی اور میں نے اس سے اتنی محبّت کی کہ اسے اپنی بیوی اور ملکہ بنایا، اس کی خدمت کے لئے ہر وقت سینکڑوں لڑکیاں تیار رہتی ہیں، اس کے کام آنکھ کے اشارے پر ہوتے ہیں اور وہ کہتی ہے کہ میں موسیٰ پر ایمان لے آئی ہوں، اسے بلواؤ۔ اب پولیس والے بھی حیران ہوئے کہ اب تک تو ملکہ کا اتنا ادب و احترام تھا اور اب فرعون حکم دے رہا ہے کہ اسے گرفتار کر کے لے آؤ۔ بہر حال اسے پکڑ کر لایا گیا۔

فرعون نے اسے کہا، آسیہ! اگر تو نے میری بات نہ مانی تو میں تجھے سب کے سامنے رسوا کر دوں گا۔ وہ کہنے لگی نہیں، میں نے جو بات کر دی ہے میں اس پر پکی ہوں۔ اس نے کہا، دیکھو میں آپ کو آخری چانس دیتا ہوں، اس وقت تک تو ملکہ ہے اور تیری عزت ہے، میں تجھے اتنا ذلیل کروں گا کہ کسی نے کسی کو اتنا ذلیل نہیں کیا ہوگا۔ اس نے کہا، اب نہیں ہو سکتا، میں اپنی بات پر پکی ہوں۔ چنانچہ اس نے غصے میں آکر اپنے درباریوں کو حکم دیا کہ اس کے جسم سے لباس اتار دیا جائے ...... اب بتائیں کہ اگر مرد کو مرد کے مجمع میں کہیں کہ تیرا لباس اتار دیں گے تو مرد کو اتنی شرم آتی ہے کہ دل چاہتا ہے کہ زمین پھٹتی اور میں اس سے پہلے اندر اتر جاتا۔ جب مرد کو مجمع میں بے ستر ہونا اتنا برا لگتا ہے تو عورت تو پھر اور بھی حیا والی ہوتی ہے ...... لیکن حضرت آسیہ نے کہا کہ تو جو کچھ بھی کر لے میں حق بات پر سے پیچھے نہیں ہٹوں گی۔

چنانچہ ان کے جسم سے لباس اتار دیا گیا۔

اس حالت میں ان سے پھر پوچھا گیا کہ اب مانتی ہو؟ اس نے کہا کہ میں نہیں مانتی۔ فرعون نے یہ سن کر حکم دے دیا کہ اس کو بھی چو میخا لٹا دو۔ چنانچہ جب اس کو زمین پر لٹانے لگے تو فرعون کہنے لگا کہ اسے ایسے لٹاؤ کہ اس کا چہرہ محل کی طرف رہے تاکہ اس کو احساس رہے کہ اب میں کبھی اس محل میں داخل نہیں ہو سکوں گی۔ بالآخر فرعون کے حکم کے مطابق اس کا چہرہ محل کی طرف کر کے لٹا دیا گیا۔ بادشاہ نے پھر پوچھا، اب مانتی ہو؟ وہ کہنے لگی، نہیں مانتی۔ اس نے آدمیوں کو بلایا اور کہا کہ زندہ حالت میں اس کے جسم کے اوپر سے کھال اتار دی جائے...... اس زمانے میں بلیڈ کے ساتھ بہت باریکی سے اوپر کی کھال اتار دی جاتی تھی...... چنانچہ اس کی کھال اتار دی گئی۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ پورے بدن کی کھال اتارنے تک وہ زندہ رہی۔ لیکن جب کھال اتر جائے تو اس جگہ پر ہوا بھی لگے تو درد ہوتا ہے۔ لہٰذا ذرا سوچیں کہ اس کے جسم کو کتنی تکلیف ہو رہی ہوگی۔ وہ مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔

فرعون نے کہا، اب بتاؤ، اب نہ تو تجھے محل مل سکتا ہے اور نہ میں مل سکتا ہوں یہ نعمتیں تم سے چھین لی گئی ہیں، کیا اب مانتی ہو؟ اس نے کہا، میں ہرگز نہیں مانتی۔ فرعون کو غصہ تھا۔ لہٰذا اس نے مرچیں لانے کا حکم دے دیا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ پسی ہوئی مرچیں منگوا کر اس کے جسم پر ڈالی گئیں۔ جب مرچیں ڈالی گئیں تو اس نے اور بھی زیادہ تڑپنا شروع کر دیا۔ بالآخر اس تڑپنے کی حالت میں اس نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی۔

رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ (التحریم: 11) اے رب! بنا میرے واسطے اپنے پاس ایک گھر بہشت میں۔

بی بی آسیہ نے دعا میں کہا کہ اے اللہ! اس فرعون نے مجھے اپنے گھر سے دھکا دے دیا ہے اور کہا ہے کہ اب تو اس محل میں داخل نہیں ہو سکتی۔ اے اللہ! مجھے یہ محل نہیں چاہیے، اے پروردگار! مجھے جنت میں اپنے قرب میں ایک مکان عطا فرما دیجئے...... یہ دعا مانگنے کے بعد بی بی آسیہ شہید ہو گئیں۔

اب اللہ تعالیٰ کی قدردانی دیکھئے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام جبرائیل امینؑ کے ساتھ معراج کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، ایک وادی میں سے گزرے تو بڑی خوشبو آئی۔ نبی علیہ السّلام نے پوچھا، جبرائیل! یہ خوشبو کیسی ہے؟ انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی! اس جگہ پر ایک عورت کی قبر ہے جو فرعون کی بیوی اور بیٹیوں کے بالوں کو ٹھیک کیا کرتی تھی، اس کی قبر کو اللہ نے جنت کا باغ بنا دیا اور اب اس کی خوشبو سے پوری وادی کو مہکایا ہوا ہے...... اللہ اکبر...... اس کی قبر کی خوشبو نبی علیہ السّلام نے سونگھی۔

بی بی آسیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدردانی کا کیا معاملہ ہوا؟ انہوں نے یہ دعا مانگی تھی۔ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ (التحریم: 11) اللہ تعالیٰ نے اس کی ایسی قدردانی فرمائی کہ جب نبی اکرم ﷺ کی پہلی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا فوت ہونے لگیں تو نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا، خدیجہ! اگر تم فوت ہو گئی تو پھر جنت میں جاؤ گی، تم وہاں میری بیویوں کو سلام دے دینا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر بڑی حیران ہوئیں اور پوچھنے لگیں، اے اللہ کے نبی ﷺ! میں دنیا میں آپ کی پہلی بیوی ہوں، وہ بیویاں کون ہیں جن کو سلام دینے کے لئے آپ نے یوں فرمایا۔ نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم اور عیسیٰؑ کی والدہ بی بی مریم جنت میں پہنچ چکی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت میں میری بیویاں بنا دیا ہے۔ اللہ کی قدردانی دیکھئے کہ بی بی آسیہ نے اللہ تعالیٰ سے مکان

مانگا تھا۔اللہ تعالیٰ نے ان کو گھر تو دے ہی دیا ساتھ گھر والا بھی عطا فرمادیا اور گھر والا بھی ایسا دیا جو اس کا اپنا محبوب ﷺ تھا......سبحان اللہ......فرعون نے اپنے گھر سے نکالا تھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں نہ صرف اپنے قرب میں جگہ دی بلکہ فرعون بے ایمان کی بجائے اللہ نے ان کو اپنے محبوب سید الاولین والآخرین کی بیوی بنادیا......تو معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی بندہ اللہ کے لئے قربانی دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ قدردان ہیں اور وہ اس کی امیدوں سے بڑھ کر اس کی قدردانی فرماتے ہیں۔

سیدنا ابراہیمؑ پر انعاماتِ خداوندی:

سیدنا ابراہیمؑ نے اللہ کا گھر بنایا جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا (البقرہ:126) اور یاد کرو جب اٹھاتے تے ابراہیم بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسماعیل اور دعا کرتے تھے اے پروردگار ہمارے قبول کر ہم سے۔

حضرت ابراہیمؑ نے اللہ رب العزت کا گھر بنایا۔اللہ رب العزت نے اس کو اتنا پسند فرمایا کہ ان کو ابو الانبیاء (انبیاء کا باپ) بنادیا۔چنانچہ ان کی آنے والی نسلوں میں سے دس ہزار سے زیادہ انبیائے کرام تشریف لائے۔جو عزت حضرت ابراہیمؑ کو ملی وہ بہت ہی انوکھی تھی۔ان کی شخصیت مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں یعنی دنیا کے تینوں مذاہب کے نزدیک قابل احترام ہے۔گویا انہوں نے اللہ کے لئے کام کیا اور رب کریم نے ان کو اس کام پر اجرت بھی دی۔کیونکہ جو کریم ہوتا ہے وہ بندے کی مزدوری کی اجرت دیتا ہے۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کی مزدوری کی اجرت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (البقرہ:124) میں آپ کو تمام انسانوں کا امام بناتا ہوں۔

یہ اجر تو گھر بنانے کا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی امید سے بڑھ کر ایک اور اجر بھی دیا۔ وہ یہ کہ جس جگہ پر سیدنا ابراہیمؑ نے کھڑے ہو کر اللہ کا گھر بنایا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے قدموں کے نشانات کی اس جگہ کو بعد میں آنے والوں کے لئے مصلّٰے بنا دیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِمَ مُصَلًّى (البقرہ:125) اور بناؤ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ۔

گویا فرمایا، اے ابراہیم! تو نے اس جگہ پر کھڑے ہو کر میرا گھر بنایا، میں وہ پروردگار ہوں کہ تیرے قدموں کے نشانات کے قریب کی زمین کو بعد میں آنے والوں کے لئے سجدہ گاہ بنا دیتا ہوں۔ یہ ہوتی ہے قدردانی۔

بی بی ہاجرہ کا توکل اور اس کی قدردانی:

حضرت ابراہیمؑ اللہ رب العزت کے حکم پر بی بی ہاجرہ اور اسماعیلؑ کو ملک شام سے لا کر بیت اللہ شریف کے قریب ایسی جگہ پر آباد کرتے ہیں کہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

بِوَادٍ غَيْرِ ذِىْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ (ابراھیم:37) جب وہاں سے چلنے لگے تو اہلیہ صاحبہ پوچھنے لگیں، آپ ہمیں یہاں کیوں چھوڑ کر جا رہے ہیں تو انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوبارہ پوچھنے پر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ تیسری مرتبہ پوچھا، کیا آپ ہمیں اللہ رب العزت کے حکم کی وجہ سے چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ اب انہوں نے جواب دیا، جی ہاں۔ جب انہوں نے یہ بتایا تو بی بی ہاجرہ فرمانے لگیں کہ اگر آپ ہمیں اللہ تعالیٰ کے حکم پر چھوڑ کر جا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں فرمائیں گے۔ اب دیکھیئے اللہ کی ایک بندی اللہ پر توکل کرتی ہے اور ایسی جگہ جہاں پانی نہیں ملتا اور کوئی سبزہ دکھائی نہیں دیتا، وہ اللہ

کے نام پر وہاں رہنے کا ارادہ کر لیتی ہے۔ رب کریم کی قدر دانی دیکھیئے کہ یہی نہیں کہ صرف ان کو پینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پانی عطا کیا بلکہ زم زم کا ایک ایسا چشمہ جاری فرما دیا کہ جس سے آج پوری دنیا کے مسلمان اپنے گھروں میں بیٹھ کر زم زم پیا کرتے ہیں۔ کہاں علاقے کے لئے پانی نہیں تھا اور کہاں ایسا چشمہ کہ کم وبیش بیس لاکھ آدمی حج پر جاتے ہیں اور کم وبیش ہر بندہ اپنے ساتھ زم زم کا پانی بھر کر لاتا ہے۔ اے مالک! وہ کیسا چشمہ ہے جو اتنے بندوں کی ضرورتوں کو پورا کر رہا ہے۔

ایک دفعہ ہمیں زم زم کے کنویں میں دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ کیونکہ کتابوں میں لکھا ہے کہ اس میں دیکھنا بھی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ ہمارے ایک قریبی دوست کی وہاں ڈیوٹی تھی۔ وہ ہمیں لے کر گئے جب وہ ہمیں اندر لے گئے تو انہوں نے کہا کہ اندر جھانک کر دیکھیں۔ انہوں نے وہاں خاص لائٹوں کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ جب انہوں نے تیز لائیٹیں اندر ڈالیں اور ہم نے اندر جھانک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کی گہرائی تو اتنی نہیں ہے مگر نیچے سے جیسے پائپ میں سے پانی آرہا ہوتا ہے تو اس طرح ہمیں دھاریں نظر آئیں۔ ہم نے اس سے پوچھا، جی یہ کیا معاملہ ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ہم عام لوگوں میں یہ بات نہیں کرتے، مجھے کئی مرتبہ زم زم میں نیچے جانے کا موقع ملا، نیچے سات جگہیں ایسی ہیں جہاں سے پانی ابل رہا ہے۔ واہ میرے مولا! آپ کتنے قدردان ہیں کہ بی بی ہاجرہ کی توکل کے صدقے پوری مخلوق کو زم زم پہنچا رہے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا کی قدردانی:

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے لوٹ کر مدینہ منورہ کی طرف آرہے تھے۔ راستے میں رات آگئی۔ پڑاؤ ڈالا۔ آپ کھلے میدان میں سوئے ہوئے تھے۔ اچانک آپ کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ آسمان پر چودھویں کا چاند نور برسا رہا تھا۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آسمان کے چاند کو دیکھا تو انہیں بے اختیار مدینہ

کا چاند یاد آ گیا۔ نبی ﷺ کا خیال آتے ہی اٹھ بیٹھے، اس وقت تنہائی تھی، ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، آسمان سے نور برس رہا تھا، قبولیتِ دعا کا موقع محسوس ہو رہا تھا۔ اس وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ رب العزت کے سامنے اپنے دل کا راز کھولا اور اپنے دل کی تمنائیں بیان کی۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَةً فِیْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ قَبْرِیْ فِیْ بَلَدِ حَبِیْبِكَ اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا فرمائیے اور میری قبر محبوب ﷺ کے شہر میں بنا دیجئے۔

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو اتنا ہی مانگا تھا، ان کو شہادت تو کسی جگہ بھی مل سکتی تھی، چاہے پہاڑی کی چوٹی پر ملتی چاہے کسی میدان میں ملتی، مگر اللہ تعالیٰ قدردان ہیں، اللہ تعالیٰ ں نے ان کی تمنا کو پورا کیا، مگر پورا بھی کس انداز میں کیا کہ

......سیدنا عمر رضی اللہ عنہ باوضو ہیں

......مصلّٰی نبوی پر کھڑے ہیں

......قرآن پاک کی تلاوت کر رہے ہیں

اس قرب اور احسان کی کیفیت میں اللہ رب العزت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہادت عطا فرما دی۔ وہ زخم اسی وقت لگا تھا جو شہادت کا سبب بنا تھا۔ مصلّٰی نبوی پر شہادت کا رتبہ عطا فرما دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے قدردانی نہیں تو اور کیا ہے۔ انہوں نے تو فقط شہادت مانگی تھی مگر ان کی امید سے بڑھ کر ان کے ساتھ خیر کا معاملہ کیا گیا۔

انہوں نے دوسری دعا یہ مانگی تھی کہ اے اللہ! میری قبر اپنے محبوب ﷺ کے شہر میں بنا دینا۔ اگر قبر جنت البقیع میں بن جاتی تو تب بھی دعا پوری ہو جاتی مگر اللہ تعالیٰ قدردان ہیں......اللہ تعالیٰ نے ان کو قبر کے

لئے کہاں جگہ عطا فرمائی؟......اللہ تعالیٰ نے انہیں

......ریاض الجنۃ میں

......نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حجرہ میں

......اور محبوب ﷺ کے قدموں میں

دفن ہونے کی جگہ عطا فرما دی......اللہ رب العزت کی طرف سے ان کی یہ قدردانی تھی۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ پر عنایت و بخشش:

حضرت زید رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ بچپن میں ہی کسی نے ان کو غلام بنا لیا۔ بالآخر وہ نبی علیہ السّلام کی خدمت میں پہنچ گئے اور وہ وہیں رہنے لگے۔ ان کے والدان کے بارے میں بہت فکرمند ہوئے۔ وہ ان کو ڈھونڈتے، روتے اور اشعار کہتے تھے۔ کسی نے بتا دیا کہ آپ کا بیٹا تو فلاں جگہ پر موجود ہے۔ چنانچہ ان کے والد اور چچا ان کو لینے کے لئے وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے زید رضی اللہ عنہ سے آ کر ملاقات کی اور انہیں سمجھایا کہ میں بھی تیرے لئے اداس ہوں، تمہاری والدہ بھی اداس ہے اور دوسرے رشتہ دار بھی اداس ہیں۔ ہم نے تیری خاطر بہت سفر کئے، بہت سی مشقتیں اٹھائیں، اب آپ قسمت سے مل گئے ہیں، چنانچہ اب ہمارے ساتھ چلیں۔ چونکہ وہ انہیں بغیر اجازت کے نہیں لے جا سکتے تھے اس لئے ان کو سمجھانے کے بعد وہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ اللہ کے محبوب ﷺ کی خدمت میں عرض کرنے لگے کہ

”اے قریش کے سردار! آپ بنو ہاشم کی اولاد بڑے کریم لوگ ہیں، آپ مہمان نواز ہیں اور لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے والے ہیں، ہمارا بچہ آپ کے پاس ہے، آپ اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تا کہ ہم سکون کی زندگی گزار سکیں۔“

نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا:

’’میں یہ اختیار زید رضی اللہ عنہ کو دیتا ہوں، اگر یہ آپ کے ساتھ جانا چاہے تو اسے جانے کی اجازت ہے اور اگر یہ میرے پاس رہنا چاہے تو میں زبردستی بھیجنا نہیں چاہتا۔‘‘

جب حضرت زید کے ذمے بات لگی تو انہوں نے ایک نظر اپنے والد کے چہرے پر ڈالی اور ایک نظر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ڈالی اور اٹھ کر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی گود مبارک میں آ کر بیٹھ گئے اور ایک بچہ ہونے کے باوجود کہنے لگے کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ سے جدا نہیں ہونا چاہتا۔ جب وہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی گود میں بیٹھ گئے تو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے،

’’آج سے میں نے زید کو اپنا بیٹا بنالیا۔‘‘

سبحان اللہ، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کی گود کی بجائے نبی علیہ السّلام کی گود کو پسند کیا، اللہ رب العزت کی قدردانی دیکھئے کہ صحابہ کرامؓ ان کو پوری زندگی ’’زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنی ایک رشتہ دار عورت سے ان کی شادی کردی تھی۔ نہ صرف یہی بلکہ تمام صحابہ میں سے صرف آپ کا نام قرآن مجید میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (الاحزاب: 37) پھر جب زید تمام کر چکا اس عورت سے اپنی غرض، ہم نے اس کو تیرے نکاح میں دے دیا۔ صحابہ کرامؓ ان کا بڑا اکرام کرتے تھے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا مقام:

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے اسامہ رضی اللہ عنہ تھے۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ان پر کتنی مہربانی فرمائی کہ ان کے بیٹے کو امیر لشکر بنا کر بھیجا۔ حالانکہ صحابہؓ میں بڑے بڑے اکابر موجود تھے۔ لیکن یہ چھوٹی عمر میں امیر

بن کے جا رہے تھے۔ اللہ کی شان کہ نبی علیہ السّلام نے ان کے ہاتھ میں جھنڈا پکڑایا اور انہیں لشکر کا امیر بنایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا۔ کچھ صحابہ کرام کو بیت المال سے کچھ ہدیہ ملا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس ہدیے کے تعین کی ضرورت پیش آئی تو اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے نام سامنے آئے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السّلام کی بہت خدمت کی۔ وہ امام المحدثین تھے، اور علم میں بڑا مقام رکھتے تھے۔ صحابہ میں ان کا ایک مقام تھا۔ لوگ ان کے پاس حدیث کی روایت کے لئے آتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا ماہانہ تھوڑا متعیّن کیا اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا ماہانہ زیادہ مقرر کر دیا۔ وہ بڑے حیران ہوئے۔ انہوں نے آ کر اپنے والد سے پوچھا، ابا جان! آپ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا ماہانہ زیادہ مقرر کیا اور میرا کم متعیّن فرما دیا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عجیب جواب دیا۔

"بیٹا میں نے یہ کام اس لئے کیا کہ تیری نسبت اسامہ اور تیرے باپ کی نسبت اسامہ کا باپ اللہ رب العزت کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھا"

یہ تو ان کا اپنا قول ہے مگر بتانے کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ ان کے والد کو نبی علیہ السّلام نے اپنا بیٹا بنا لیا تھا اور ان کو قرب کی ایک نسبت مل گئی تھی اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس نسبت کا لحاظ رکھا اور انہوں نے اپنے بیٹے کی بہ نسبت ان کا ماہانہ زیادہ متعیّن فرما دیا...... یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قدردانی ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی بے مثال حوصلہ افزائی:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ وہ ایران میں رہتے تھے۔ آتش پرست تھے۔ ان کے والد کا ایک ہی کام تھا کہ وہ ہر وقت آگ جلائے رکھتے تھے۔ وہ آگ کو بجھنے نہیں دیتے تھے...... ان بیچاروں کا خدا کہیں بجھ نہ جائے لہٰذا اس کو لکڑیاں دینی پڑتی ہیں...... اس نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ

بیٹا! آپ کا بھی ایک ہی کام ہے کہ آگ جلتی رہنا چاہئے۔ یہ اچھے بھلے بڑی عمر کے ہو گئے مگر ان کو باہر کی دنیا کا پتہ ہی نہیں تھا۔

ایک مرتبہ ان کا والد بیمار ہو گیا۔ اس نے ان کو بھیجا کہ زمینوں پر جاؤ، وہاں سے پیسے لے کر آنے ہیں، لیکن یاد رکھنا کہ سیدھا جانا اور سیدھا آنا، وقت ضائع نہ کرنا۔ انہوں نے پہلے کبھی باہر نکل کر نہیں دیکھا تھا، اب ان کو باہر نکلنے کا موقع ملا۔ چنانچہ جب باہر نکل کر جا رہے تھے تو ایک راہب (عیسائیوں کا عالم) ان کو مل گیا۔ انہوں نے اس راہب سے راستہ پوچھا۔ ان کی آپس میں بات چیت ہونے لگی۔ راہب نے ان سے پوچھا کہ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے بتا دیا۔ اس طرح بات چیت سے ان کو راہب کے ساتھ ایک تعلّق ہو گیا۔ اس نے کہا کہ یہاں قریب ہی ایک چرچ ہے، میں وہاں پر ہوتا ہوں، تجھے جب موقع ملے میرے پاس سے ہو کر جایا کرو۔ چنانچہ وہ جب بھی ادھر آتے جاتے وہ اس کو مل کر جاتے۔

راہب نے ان کے سامنے عیسائیت کی تعلیمات پیش کیں۔ اس وقت عیسائی مذہب سچا مذہب تھا۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ یہ مذہب بالکل ٹھیک ہے لہٰذا میں یہ مذہب اختیار کروں گا۔ یہ اس سے پوچھنے لگے کہ کیا میں یہ تعلیم حاصل کر سکتا ہوں؟ اس نے کہا کہ، ہاں، مگر ہمارے بڑے عالم فلاں شہر میں رہتے ہیں، اگر آپ نے علم حاصل کرنا ہے تو ان کے پاس چلے جائیں۔ انہوں نے کہا کہ میں ان کے پاس کیسے جاؤں گا؟ راہب نے کہا کہ وہاں قافلے جاتے ہیں، جب اگلا قافلہ جائے گا تو میں آپ کو اس قافلے والوں کے ساتھ بھیج دوں گا۔ وہ کہنے لگے کہ، ٹھیک ہے، بس مجھے اطلاع دے دینا، میں گھر سے آ جاؤں گا کیونکہ اگر میں یہاں رہا تو ابو مجھے آگ جلانے پر ہی رکھیں گے اور اس کی وجہ سے میری زندگی بھی نہیں سنورے گی لہٰذا بہتر ہے کہ میں وہاں جا کر علم حاصل کر لوں۔

جب قافلہ جانے لگا تو اس راہب نے ان کو اطلاع کر دی اور یہ قافلے کے ساتھ وہاں چلے گئے۔ جس

کے پاس گئے وہ بڑی عمر کا عالم تھا۔انہوں نے اس عالم سے تقریباً ایک سال تک پڑھا اور اس کے بعد وہ فوت ہو گئے۔حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بڑے پریشان ہوئے کہ میں ان سے پڑھنے آیا تھا اور یہ فوت ہو گئے ہیں۔

پھر وہ ان سے بھی بڑے عالم کے پاس گئے۔وہ بھی بوڑھے ہو چکے تھے۔ان کے پاس کچھ عرصہ پڑھا ہی تھا کہ وہ بھی بیمار ہو گئے۔لہٰذا انہیں پھر پریشانی ہوئی۔اسی پریشانی کے عالم میں ان سے پوچھا کہ اب میں کیا کروں؟ انہوں نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں، آپ میرے بعد فلاں سے علم حاصل کر لینا۔ چنانچہ جب وہ عالم فوت ہوئے تو وہ تیسرے کے پاس چلے گئے۔اللہ کی شان دیکھئے کہ تیسرا بھی بوڑھا تھا وہ بھی بیمار ہو گیا۔اب تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ رونے لگے کہ پتہ نہیں یہ کیا معاملہ ہے کہ میں جدھر بھی جاتا ہوں ادھر استاد مجھے داغ مفارقت دے جاتے ہیں۔اس نے کہا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں آپ کو ایک پکی بات بتاتا ہوں۔اب تجھے کسی استاد کے پاس جانے کی ضرورت ہی نہیں۔ انہوں نے پوچھا، وہ کیسے؟ اس نے کہا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے جس میں نبی آخرالزماں A نے تشریف لانا ہے، میں نشانیاں بتا دیتا ہوں لہٰذا آپ کوشش کر کے اس علاقے میں چلے جائیں جہاں انہوں نے آنا ہے، وہاں جا کر ان سے تعلیم حاصل کرنا۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئے۔ چنانچہ اس نے انہیں وہ نشانیاں بھی بتا دیں اور ایک قافلہ والوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ بھی کر دیا۔اس زمانے میں مدینہ کو یثرب کہا جاتا تھا۔

قافلہ والوں نے درمیان میں بدعہدی کی کہ یہ بچہ ہے اور اس کا کوئی ولی وارث نہیں، انہوں نے مدینہ منورہ پہنچ کر انہیں ایک غلام کی حیثیت سے بیچ دیا اور انہیں ایک یہودی نے خرید لیا۔ان کا وہاں کوئی واقف نہ تھا۔البتہ انہوں نے جب یہ علاقہ دیکھا اور ان نشانیوں کو دیکھا جو ان کے استاد نے انہیں بتائی

تھیں تو ان کو تسلّی ہوگئی کہ یہ علاقہ وہی ہے جہاں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لانا ہے۔ چنانچہ دل میں فیصلہ کرلیا کہ اب میں یہیں رہوں گا۔

اس یہودی کا کھجوروں کا ایک باغ تھا۔ وہ سارا دن اس میں کام کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ کھجور کے ایک درخت پر چڑھ کر کھجور اتار رہے تھے کہ اس یہودی کا ایک دوست اسے ملنے آیا۔ وہ اس یہودی کے ساتھ مل کر باتیں کرنے لگا۔ باتوں ہی باتوں میں وہ کہنے لگا کہ مکہ سے ایک آدمی یہاں آئے ہیں اور وہ نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ جب انہوں نے نبوت کے یہ الفاظ سنے تو انہوں نے شوق میں اوپر سے نیچے چھلانگ لگا دی کیونکہ وہ پہلے ہی ایسی خبر پانے کے منتظر تھے...... ماشاء اللہ! بچوں کا کام ایسا ہی ہوتا ہے...... آکر اس یہودی سے پوچھنے لگے کہ جی! وہ کون سے نبی تشریف لائے ہیں۔ یہودی نے جب یہ سنا تو اس نے انہیں زور سے ایک تھپّڑ لگایا اور کہا کہ جا تو اپنا کام کر۔ ان کو چھلانگ لگانے سے پاؤں میں تکلیف ہو رہی تھی، ساتھ ہی تھپّڑ کی تکلیف بھی برداشت کرنی پڑی۔ پھر جا کر خاموشی سے کام کرنے لگے۔ پھر اس سوچ میں پڑ گئے کہ اب میں کیا کروں۔ بالآخر ان کے دل میں یہ بات آئی کہ مجھے ہفتے میں ایک دن چھٹی ہوتی ہے، میں اس دن جا کر بستی والوں سے پوچھوں گا کہ کون آئے ہیں۔ چنانچہ وہ چھٹی کے دن بستی میں پہنچے اور پوچھتے پوچھتے وہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں پہنچ گئے اور زیارت کر کے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائی۔

ان کو استاد نے نبی آخر الزمان ﷺ کی دو نشانیاں بتائی ہوئی تھیں ایک نشانی تو یہ کہ وہ ہدیہ قبول کرلیں گے اور دوسری نشانی یہ کہ وہ صدقہ کا مال قبول نہیں فرمائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے کچھ پیسے لا کر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں پیش کیے اور عرض کیا کہ یہ صدقہ کے پیسے ہیں آپ قبول فرما لیجئے۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں ہم تو صدقہ نہیں لیتے...... ایک نشانی پوری ہوگئی...... پھر کسی دوسرے

موقع پر عرض کیا، جی یہ ہدیہ قبول فرمالیجئے۔ آپ ﷺ نے وہ ہدیہ قبول فرمالیا...... اس طرح دوسری نشانی بھی پوری ہوگئی۔ ماشاءاللہ اب ان کے دل کو تسلّی ہوگئی اور کلمہ پڑھ کر آپ ﷺ کے غلاموں میں شامل ہو گئے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں اپنی کیفیت بیان کی۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا کہ تم آتے رہا کرو۔ چنانچہ شروع میں انہوں نے اپنے ایمان کو چھپایا۔ وہ چھٹی کے دن محبوب ﷺ کی خدمت میں آجاتے اور دن گزار کر چلے جاتے۔

کچھ عرصہ بعد نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی محبّت نے اتنا جوش مارا کہ کہنے لگے کہ اب تو مجھ سے جدا نہیں رہا جاسکتا۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس یہودی سے جا کر طے کرلو، وہ جو شرط بھی لگائے کہ وہ تمہیں اتنے پیسے لے کر چھوڑ دے گا، وہی شرط طے کرلو۔ چنانچہ انہوں نے جا کر اسے کہا کہ جی آپ مجھے آزاد کردیں، اس کے بدلے آپ جو رقم کہیں وہ ادا کردوں گا یا جو کام کہیں گے وہ کردوں گا۔

وہ یہودی بڑا تیز تھا۔ اس نے کہا، میں دو شرطوں پر آپ کو آزاد کرتا ہوں۔ ایک شرط تو یہ ہے کہ کھجوروں کے تین سو درخت لگاؤ، جب وہ پھل دینا شروع کردیں گے تب پہلی شرط پوری ہو جائے گی۔ اس کا خیال تھا کہ اگر آج درخت لگائیں تو پھل لگنے میں کئی سال لگ جائیں گے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ تم تین اوقیہ سونا مجھے دینا۔ اس کا خیال تھا کہ اتنے سونے میں تو پچاس غلام آجاتے ہیں۔ یہ کہاں سے اتنا دے سکے گا۔

انہوں نے اس کی یہ دونوں شرطیں قبول فرمالیں اور آ کر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں بھی بتا دیا ...... وہ ابھی ادھر ہی بیٹھے تھے کہ ایک آدمی نے سونے کا ایک ڈلا نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کیا۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے وہ سونا ان کو دے دیا اور فرمایا، سلمان! اللہ تعالیٰ نے تیرا کام آسان کردیا ہے، جاؤ اور اسے یہ دے دو۔ اب یہ لے گئے اور اس یہودی کو جا کر وہ سونا دے

دیا۔ سونے کا وہ ڈلا دیکھنے میں تو چھوٹا سا لگتا تھا لیکن جب اس نے وزن کیا تو بالکل پورا نکلا۔ وہ بڑا حیران ہوا۔ اس نے سوچا کہ شاید ترازو میں کوئی خرابی ہو۔ چنانچہ اس نے ترازو کو ٹھیک کیا اور پھر تولا۔ پھر وزن پورا نکلا۔ اس طرح اس نے کئی بار وزن کیا اور ہر بار وزن برابر نکلا۔ بالآخر وہ حیران ہو کر کہنے لگا، چلو ٹھیک ہے، اب کھجوروں کا باغ لگاؤ۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے پھر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم زمین تیار کر دو اور ہمارا انتظار کرنا، ہم آ کر تمہارے ساتھ کھجوریں لگوائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر ان کے ساتھ کھجوریں لگوائیں اور ان کھجوروں نے اسی سال پھل اٹھا لیا۔ اللہ اکبر!!!...... جب دونوں شرطیں پوری ہو گئیں تو اسے آزاد کرنا پڑا۔

آزاد ہو کر وہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں آ گئے اور عرض کیا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میں حاضر ہوں، اب میرے لئے کیا حکم ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، اب تم اصحابِ صفہ میں شامل ہو جاؤ...... جو فقراء مکہ مکرمہ، حبشہ اور دوسری جگہوں سے ہجرت کر کے آئے ہوئے تھے ان کے لئے ایک چبوترہ سا بنا ہوا تھا، اس پر وہ رہتے تھے، ان کو اصحابِ صفہ (چبوترہ والے) کہا جاتا تھا...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم بھی انہی میں شامل ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ بھی اصحابِ صفہ میں شامل ہو گئے اور ان کے مانیٹر بن گئے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کیا قدردانی عطا فرمائی۔

اپنا گھر کس لئے چھوڑا تھا؟...... اللہ تعالیٰ کے لئے

اپنے رشتہ داروں کو کس لئے چھوڑا تھا؟...... اللہ تعالیٰ کے لئے

تو جس نے اپنا گھر بار اور اپنے رشتہ دار اللہ کی رضا کے لئے چھوڑے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی اتنی قدردانی فرمائی کہ ایک وقت ایسا آیا کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا،

السلمان منا اهل البيت سلمان تو ہمارے اہل بیت میں سے ہے۔

تو اللہ کے محبوب ﷺ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل بیت میں شامل فرمالیا۔ ......اللہ اکبر!!!......رشتہ داروں کو چھوڑا تو اللہ رب العزت نے ان کی نسبت کن کے ساتھ کردی؟ اہل بیت کے ساتھ۔

☆......حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پرشفقت ومہربانی

حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ ایک صحابیؓ ہیں۔ان کی اٹھتی ہوئی جوانی تھی۔وہ بہت ہی خوبصورت تھے۔وہ دوستوں کے ساتھ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں آئے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ ان کے والد فوت ہو چکے تھے اور وہ چچا کے پاس رہتے تھے۔انہوں نے سوچا کہ میں اپنے گھر والوں کے سامنے اپنے اسلام لانے کا اظہار نہیں کروں گا۔لیکن ایمان کوئی چھپنے والی چیز نہیں ہے۔کہتے ہیں نا کہ عشق اور مشک نہیں چھپتا۔یہ ایمان بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ عشق ہوتا ہے لہٰذا یہ بھی نہیں چھپتا۔چچا نے کہا کہ لگتا ہے کہ تم مسلمان ہو گئے ہو۔فرمایا، ہاں۔اس نے کہا، اگر تم اس گھر میں رہنا چاہتے ہو تو تم واپس کفر پر آجاؤ اور اگر نہیں آنا تو پھر گھر سے چلے جاؤ۔وہ کہنے لگے کہ میں گھر سے تو جا سکتا ہوں لیکن دوبارہ کفر پر نہیں آسکتا۔اس نے کہا، پھر گھر چھوڑ دو۔اس نے پھر یہ بھی کہا کہ تم نے جو کپڑے پہنے ہوئے ہیں یہ بھی تمہیں میں نے لے کر دیئے تھے لہٰذا یہ بھی اتار دو۔چنانچہ اس کے بعد اس نے انہیں پکڑ کر مارا بھی سہی اور لباس بھی پھاڑ کر اتار دیا اور انہیں بالکل بے لباس حالت میں گھر سے دھکا دے دیا۔

ان کی والدہ کو دکھ تو ہوا مگر بول نہیں سکتی تھیں۔لہٰذا اس نے بہانے سے ایک چادر پھینک دی کہ میرا بیٹا کم از کم اپنا ستر تو چھپا لے گا۔چنانچہ انہوں نے وہ چادر اٹھالی اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ایک کو تہہ بند کی

طرح باندھ لیا اور ایک اوپر لپیٹ لیا...... یہ وہ نوجوان تھا جو قیمتی کپڑے پہنتا تھا اور لوگ اس کے حسن و جمال کی مثالیں دیا کرتے تھے، آج وہ دو چادروں میں لپٹ کر اپنے گھر سے جا رہا تھا۔اسی وجہ سے انہیں ذوالبجادین یعنی ''دو چادروں والے'' کہا جاتا ہے...... چادریں لپیٹ کر سوچا کہ کہاں جاؤں؟ دل نے کہا کہ ایک ہی تو ہستی ہے جن سے محبّت کا سودا کیا ہے اور کہاں جانا ہے، جن کی خاطر گھر چھوڑا اب انہی کے در کو جا کر پکڑ لیتا ہوں۔ چنانچہ مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔

اس وقت اللہ کے محبوب مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ حضرت عبداللہؓ اس حالت میں نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے پہچان لیا کہ

دونوں جہاں کسی کی محبّت میں ہار کے وہ آ رہا ہے کوئی شبِ غم گزار کے

حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! میرے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا ہے کہ مجھے مارا گیا، لباس اتارا گیا اور گھر سے نکال دیا گیا۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا کہ تم اب اصحابِ صفہ کے ساتھ رہو۔ چنانچہ انہوں نے اصحابِ صفہ کے ساتھ رہنا شروع کر دیا۔

ان کے دل میں اللہ رب العزت کی محبّت کا جذبہ بہت زیادہ تھا۔ حتیٰ کہ وہ اس محبّت میں مغلوب الحال ہو کر کبھی کبھی اونچی آواز سے اللہ اللہ کا ذکر کرنے لگ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا، عبداللہ! اتنی اونچی آواز میں ذکر نہ کیا کرو۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو پتہ چلا تو فرمایا،

''عمر! عبداللہ کو کچھ نہ کہو، یہ جو کچھ کرتا ہے اخلاص کے ساتھ کرتا ہے۔''

ایک مرتبہ نبی علیہ السّلام جہاد کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ وہ راستے میں ایک جگہ بیمار ہو گئے۔ جب نبی علیہ السّلام کو پتہ چلا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بیمار ہیں تو آپ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ جب آپ ﷺ وہاں تشریف لائے تو یہ ان کی

زندگی کے آخری لمحات تھے۔ روایت میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سر کو اپنی مبارک گود میں رکھ لیا۔ سبحان اللہ، یہ ایسے خوش نصیب صحابی ہیں کہ ان کا سر نبی علیہ السّلام کی مبارک گود میں ہے اور ان کی نگاہیں نبی علیہ السّلام کے چہرہ اقدس پر لگی ہوئی ہیں، نبی علیہ السّلام ان سے محبّت کی باتیں فرما رہے ہیں اور تسلّیاں دے رہے ہیں۔ اسی تسلّی دینے کے دوران ان کا آخری وقت آ گیا اور ان کی روح اس حالت میں نکلی کہ ان کی نگاہیں نبی علیہ السّلام کے مبارک چہرے پر تھیں اور سر نبی علیہ السّلام کی مبارک گود میں تھا۔ گویا کہ وہ زبانِ حال سے یوں کہہ رہے تھے،

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

اسی مضمون کو کسی اور شاعر نے یوں بیان کیا ہے،

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

جب روح پرواز کر گئی تو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا کہ عبداللہ کو نہلا دو۔ چنانچہ صحابہؓ ان کو نہلانے میں مشغول ہو گئے تو نبی علیہ السّلام نے اپنی چادر مبارک بھجوائی اور فرمایا کہ عبداللہ کو میری اس چادر میں کفن دینا۔

اب اللہ تعالیٰ کی قدردانی دیکھئے کہ جس بدن کو اللہ کے لئے بے لباس کیا گیا تھا، اسی بدن کو اللہ کے محبوب ﷺ کی مبارک چادر سے ڈھانپا گیا...... اللہ اکبر!!!...... نبی علیہ السّلام نے جنازہ پڑھایا۔ قبر کھودی گئی۔ شریعت کا حکم ہے کہ میت کو قبر میں اتارنے کے لئے وہ بندہ قبر میں پہلے اترے جو اس میت کا سب سے قریبی رشتہ دار ہو۔ یہ تو اپنے گھر بار اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر آئے تھے۔ اس وقت سینکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے لیکن اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا سب سے قریبی تو میں ہوں لہٰذا عبداللہ کو قبر میں اتارنے کے لئے میں ہی اس کی قبر میں اتروں گا۔ چنانچہ نبی علیہ السّلام ان کی قبر میں

تشریف لے گئے ۔ جب آپ ﷺ نیچے تشریف لے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ہاتھوں پر اٹھایا ہوا تھا۔ نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا،

’’عمر! اپنے بھائی کو میرے حوالے کر دو اور ان کے اکرام کا خیال رکھنا۔‘‘

چنانچہ انہوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ السّلام کے حوالے کیا اور نبی علیہ السّلام نے اپنے ہاتھوں میں ان کو لے کر اپنی امانت کو اللہ کے سپرد کر دیا......دفن تو سب لوگ ہوتے ہیں لیکن یہ دفن ہونا بھی عجیب ہے۔......اللہ اکبر کبیرا

......کسی کی قبر میں باپ اترتا ہے

......کسی کی قبر میں بیٹا اترتا ہے

......کسی کی قبر میں دوست اترتا ہے

......لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو قبر میں اتارنے کے لئے اللہ رب العزت نے اپنے محبوب حضرت محمد ﷺ کو ان کی قبر میں اتارا۔

جب اللہ کے محبوب ﷺ نے ان کو قبر میں لٹایا تو اس وقت آپ ﷺ نے ایسے دعائیہ کلمات کہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تڑپا کے رکھ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ واقعہ سنا کر کہا کرتے تھے کہ ان الفاظ کو سن کر تو میں تڑپ اٹھا اور میرے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش! آج عمر کی لاش ہوتی جسے اللہ کے محبوب ﷺ اس طرح دفنا رہے ہوتے۔ پوچھنے والے نے پوچھا، حضرت! وہ کون سی ایسی بات تھی کہ جس کی وجہ سے آپ کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی ؟ فرمانے لگے کہ جب نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو زمین پر رکھا تو دعا میں یہ فرمایا،

’’اللہ! میں عبداللہ سے راضی ہوں، تو بھی عبداللہ سے راضی ہو جا۔‘‘

سبحان اللہ ! اللہ تعالیٰ بھی قدر دان ہیں اور اللہ کے محبوب بھی قدر دان ہیں۔

قرضِ حسنہ دینے پر اللہ تعالیٰ کا اظہارِ خوشنودی:

ذرا غور کیجئے کہ اگر کوئی اپنے بیٹے کو ہدیہ کے طور پر ایک لاکھ روپیہ دے اور پھر اسے اس میں سے ایک روپے کی ضرورت پڑ جائے کہ کسی کو دینا ہے تو وہ توقع کرتا ہے کہ میں نے اس کو ابھی ایک لاکھ روپیہ دیا ہے اگر یہ ایک روپیہ دے بھی دے گا تو کون سی بڑی بات ہوگی۔ ہم اس کو بڑی بات نہیں سمجھتے لیکن اللہ رب العزت کا احسان دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے خزانوں سے نعمتیں دیں، مال اور رزق دیا، اب اس دیئے ہوئے رزق میں سے اگر اس کو کوئی بندہ اللہ کے راستے میں ایک روپیہ خرچ کر دیتا ہے تو اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ تم نے جو میرے راستے میں خرچ کیا ہے یہ تم نے مجھے قرضِ حسنہ دے دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا،

مَنْ ذَالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا (الحدید:10) کون ہے ایسا قرض دے اللہ کو اچھی طرح۔

اے مالک! دیا بھی تو آپ نے ہی تھا، اگر ہم نے اس میں سے کچھ آپ کی راہ میں خرچ کر بھی دیا تو کون سی بڑی بات کی۔ مگر نہیں، وہ قدردان ہیں۔ ان کے خزانوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

وَ لِلّٰہِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (المنفقون:7) اور آسمان اور زمین کے خزانے اللہ کے پاس ہیں۔

روزہ دار کی قدر و منزلت:

جب بندہ عبادت کرتا ہے تو اس کی عبادت سے خوش ہو کر اللہ تعالیٰ اس کی قدر دانی فرماتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے جب بندہ روزہ رکھتا ہے اور روزے کی وجہ سے اس کے منہ میں سے مہک آتی ہے تو وہ مہک اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہوتی ہے......اللہ اکبر......قدر دانی

دیکھئے کہ بندے نے اللہ کے حکم پر لبیک کہی، پھر اس کے منہ سے ایسی بو آئی جو کسی کو اچھی نہیں لگتی، مگر نہیں ، چونکہ اللہ تعالیٰ کا بندوں کے ساتھ محبّت اور احسان کا تعلّق ہے اس لئے بندے کے منہ کی بدبو کی بھی قدر دانی فرما رہے ہیں۔

جس کا عمل ہو بے غرض:

جس بندے نے بھی ''اُن'' کی خاطر قربانی دی اللہ تعالیٰ نے اس کی قربانی کو قبول کر لیا، خواہ وہ عمل چھوٹا تھا یا بڑا تھا۔

جس کا عمل ہو بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے

وہاں تو یہ دیکھتے ہیں کہ میری رضا کے لئے کیا یا نہیں، چھوٹے بڑے کو نہیں دیکھتے۔ اگر بندہ پہاڑوں جیسے اعمال کر کے جائے گا اور دل میں دکھاوا ہو گا تو اس کے عملوں کو ٹھوکر لگا دیں گے کہ ان کو لے جاؤ، تم نے مدرسے بنائے تھے اور تقریریں کی تھیں تا کہ تمہیں بڑا عالم کہا جائے، فقد قیل (پس وہ کہا جائے گا)، جاؤ، ہمارے پاس تمہارے لئے کچھ نہیں ہے۔ ایسے بے عمل عالم کو اوندھے منہ جہنّم میں گرا دیا جائے گا۔ اور جو بندہ چھوٹا سا کام بھی اللہ رب العزت کی رضا جوئی کے لئے کرے گا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی بھی قدر دانی کی جائے گی۔

زبیدہ خاتون پر نظرِ کرم:

ہارون الرشید کی بیوی ''زبیدہ خاتون'' بڑی نیک اور دین دار ملکہ تھی۔ اس کو قرآن مجید کے ساتھ اتنی محبّت تھی کہ اس نے اپنے گھر میں تین سو حافظات تنخواہ پر رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے ان کی تین شفٹیں بنائی ہوئی تھیں۔ ہر شفٹ میں ایک سو حافظات ہوتی تھیں۔ ان حافظات کو محل کے مختلف کمروں، برآمدوں

اور کونوں میں بٹھا دیا جاتا تھا اوران کا کام اپنی شفٹ میں بیٹھ کر فقط قرآن مجید پڑھنا ہوتا تھا۔اس طرح پورے محل میں ہر وقت سو حافظات کے قرآن پڑھنے کی آواز آتی تھی۔

اس خاتون کو پتہ چلا کہ جب لوگ سفر حج پر جاتے ہیں تو ان کو راستے میں پانی نہیں ملتا، اس لئے وہ اپنے ساتھ سواریوں پر پانی لاد کر لے جاتے ہیں، جب کبھی پانی ختم ہو جاتا ہے تو بسا اوقات لوگ پیاسے رہتے ہیں، بلکہ بعض اوقات تو کئی لوگ فوت ہی ہو جاتے ہیں...... ہر بیوی اپنے خاوند سے فرمائش کر کے کوئی نہ کوئی کام کرواتی ہے......اس نے بھی اپنے خاوند سے کہا کہ میرے دل کی تمنا ہے کہ آپ ایک نہر بنوائیں جو میدانِ عرفات تک پہنچے تا کہ حاجی لوگ جب اس کے قریب سے گزریں تو ان کو پانی ملتا رہے۔ ہارون الرشید نے اسکی فرمائش کو پورا کر دیا اور ایک عظیم الشان نہر بنوا دی۔اس نہر سے ہزاروں انسانوں، حیوانوں، چرندوں اور پرندوں نے پانی پیا اور فائدہ اٹھایا۔

ذرا سوچیں کہ کسی کو پانی کا ایک پیالہ پلانا کتنی بڑی نیکی ہے۔قیامت کے دن ایک جہنمی کسی جنتی کو دیکھ کر اسے پہچان لے گا اور کہے گا کہ آپ نے مجھ سے ایک مرتبہ پانی مانگا تھا اور میں نے آپ کو پانی کا پیالہ پیش کیا تھا۔ وہ کہے گا، ہاں۔ وہ کہے گا کہ آپ اللہ کے حضور میری شفاعت کر دیجئے۔حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک پیالہ پانی پلانے پر وہ جنتی شفاعت کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس جہنمی کو جہنّم سے نکال کر جنت عطا فرما دیں گے۔ایک پیالہ پانی پلانے کی اللہ رب العزت کے ہاں اتنی قدر ہے۔

انسان تو بالآخر انسان ہے۔جانور کو پانی پلانا بھی بہت قیمتی ہے۔حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک عورت نے اپنی پوری زندگی کبیرہ گناہوں میں گزار دی تھی۔ایک مرتبہ وہ کہیں جا رہی تھی، اس نے ایک کتے کو پیاسا دیکھا، گرمی کا موسم تھا، اس کی زبان نکلی ہوئی تھی اور پیاس کی وجہ سے وہ ہانپ رہا تھا۔اس کے دل میں ترس آیا اور اس نے اپنے دوپٹے کے ساتھ کوئی چیز باندھی اور پانی ڈال کر اس کتے کو پلایا۔ جب

کتے نے پانی پیا تو کتے کو ہوش آ گیا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آ گیا۔صرف کتے کو پانی پلانے پر اس کی زندگی کے سب کبیرہ گناہوں کو معاف فرما دیا گیا۔اب سوچئے کہ پیاسے کو پانی پلانا کتنا بڑا عمل ہے۔

زبیدہ خاتون نے لاکھوں پیاسوں کو پانی پلایا۔جب وہ فوت ہوگئی تو وہ کسی کو خواب میں ملی۔اس نے پوچھا، زبیدہ! تیرا آگے کیا بنا؟ کہنے لگی کہ بس مجھ پر اللہ رب العزت کی رحمت ہوگئی۔اس نے کہا، ہاں! تیرے تو کام ہی اتنے بڑے تھے، تو نے نہر بنوا کر بہت بڑا کام کیا، تیری تو بخشش ہونی ہی تھی۔وہ کہنے لگی کہ میری بخشش نہر کی وجہ سے نہیں ہوئی۔اس نے پوچھا، وہ کیوں! وہ کہنے لگی کہ جب میرا نہر والا عمل اللہ رب العزت کے سامنے پیش کیا گیا تو پروردگارِ عالم نے فرمایا کہ تم نے تو نہر اس لئے بنوائی تھی کہ تمہارے پاس بیت المال کا پیسہ تھا، اگر نہ ہوتا تو نہیں بنوا سکتی تھی، یہ کوئی ایسا کام نہیں، تم مجھے بتاؤ کہ تم نے میرے لئے کون سا عمل کیا؟ وہ کہنے لگی کہ میں یہ سن کر گھبرا گئی کہ میرے پاس تو ایسا کوئی عمل نہیں ہے۔

اس گھبراہٹ میں اللہ رب العزت کی رحمت میری طرف متوجہ ہوئی اور فرمایا، ہاں تیرا ایک عمل ایسا ہے جو تم نے ہمارے لئے کیا تھا۔وہ عمل یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کھانا کھا رہی تھی، بھوک لگی ہوئی تھی، آپ نے لقمہ توڑا کہ میں اسے اپنے منہ میں ڈال لوں، منہ میں ڈالنے سے پہلے ادھر سے اذان کی آواز تیرے کانوں میں پڑی، تمہارے سر پر پوری طرح دوپٹہ نہیں تھا اور آدھا سر ننگا تھا، اس وقت تیرے دل میں خیال آیا کہ اللہ کا نام بلند ہو رہا ہے اور میرا سر ننگا ہے، تم نے اپنی بھوک کو روکا، لقمہ نیچے رکھا اور اپنے دوپٹے کو ٹھیک کیا اور اس کے بعد لقمہ کھایا، تو نے لقمہ میں جو تاخیر کی یہ میرے نام کے ادب کی وجہ سے کی، بس اس کی وجہ سے تیری مغفرت کی جاتی ہے......سبحان اللہ......اللہ رب العزت تو یہ دیکھتے ہیں کہ

ہماری رضا کے لئے کیا گیا۔اب یہ عمل دیکھنے میں چھوٹا سا ہے مگر چونکہ اس نے یہ اللہ رب العزت کی رضا کے لئے کیا اس لئے اللہ رب العزت کے ہاں اس کی قدر بھی زیادہ ہوئی۔

ایک بت پرست کی پکار اور اس کی قدردانی:

ایک بت پرست تھا۔وہ پریشان حال ہو کر ساری رات اپنے بت سے دعائیں مانگتا رہا۔وہ اس کے سامنے یاصنم یاصنم پکارتا رہا۔مگر کوئی بات نہ بنی۔حتیٰ کہ اسے اونگھ آنے لگی۔اونگھ میں اس کی زبان سے یا صمد یاصمد نکل گیا۔صمد اللہ رب العزت کا نام ہے۔جیسے ہی اس نے یاصمد کہا اللہ رب العزت کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوئی اور پروردگارِ عالم نے فرمایا،

لَبَّيْكَ يَاعَبْدِیْ میرے بندے!میں حاضر ہوں۔

جب پروردگارِ عالم نے یہ جواب دیا تو فرشتے حیران ہو کر پوچھنے لگے کہ اے پروردگارِ عالم!وہ ایک بت پرست ہے،وہ ساری رات بت کے نام کی تسبیح جپتا رہا،اس نے اونگھ کی وجہ سے غفلت میں یاصمد کہا ہے اور اس کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔اللہ رب العزت نے فرمایا،ٹھیک ہے کہ وہ بت پرست تھا اور ساری رات بت کے نام کی تسبیح جپتا رہا،اس بت نے اس کو کوئی جواب نہ دیا اور اس نے اونگھ میں مجھے پکارا،اگر میں بھی جواب نہ دیتا تو پھر مجھ میں اور بت میں کیا فرق رہ جاتا......اللہ اکبر!!!......جو پروردگار اتنا قدردان ہو،کیا ہمیں اس کی قدردانی کرنی چاہیے یا نہیں کرنی چاہیے۔

بخشش کا پروانہ:

ایک مشہور محدث کا واقعہ ہے کہ وفات کے بعد کسی کو خواب میں ملے۔اس نے پوچھا،حضرت!آپ تو محدث تھے اس لئے مغفرت ہوگئی ہوگی۔انہوں نے فرمایا،نہیں علم کی وجہ سے مغفرت نہیں ہوئی،ایک

اور چھوٹا سا عمل تھا جو پروردگار کو پسند آ گیا۔ اس نے پوچھا، حضرت! آپ کا وہ عمل کون سا ہے جس کی وجہ سے آپ کی مغفرت ہوئی ہے؟ وہ فرمانے لگے کہ میں ایک مرتبہ حدیث پاک لکھ رہا تھا، میں نے اپنے قلم پر سیاہی لگائی تو اس قلم پر ایک پیاسی مکھی آ کر بیٹھ گئی اور اس سیاہی کو پینے لگی، میرے دل میں خیال آیا کہ اگر میں لکھوں گا تو یہ اڑ جائے گی، لہٰذا میں نے تھوڑی دیر کے لئے اس قلم کو ہاتھ میں پکڑ لیا تا کہ وہ مکھی سیاہی کو پی لے۔ وہ مکھی سیاہی پی کر اڑ گئی اور میں نے لکھنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کو میرا یہ عمل اتنا پسند آ گیا، چنانچہ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ تم نے مکھی کی پیاس کو بجھایا، آج ہم تیری پیاس کو بجھاتے ہیں اور تجھے جنت عطا فرما دیتے ہیں...... اب دیکھنے میں یہ عمل کتنا چھوٹا سا ہے لیکن چونکہ اللہ رب العزت کی رضا کے لئے کیا گیا اس لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہو گیا۔

جہنّم سے آزادی کی خوشخبری:

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک بات لکھی ہے کہ ایک مرتبہ میں قرآن و حدیث کی روشنی میں وعظ و نصیحت کی باتیں (مکتوبات شریف) لکھ رہا تھا۔ اس دوران میری قلم نے لکھنا چھوڑ دیا۔ میں نے اپنے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن پر اپنے قلم کو ٹھیک کیا۔ پھر اس کے بعد لکھنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد نماز کے لئے وضو کی ضرورت پیش آئی تو میں اٹھ کر بیت الخلاء میں گیا۔ ابھی میں بیت الخلاء میں قضائے حاجت کے لئے بیٹھنا ہی چاہ رہا تھا کہ میری نظر ہاتھ کے انگوٹھے پر پڑی تو میں نے اس پر سیاہی لگی ہوئی دیکھی۔ یہ دیکھ کر دل میں خیال آیا کہ یہ وہ سیاہی ہے جسے میں قرآن و حدیث کے لکھنے میں استعمال کرتا ہوں، اگر میں یہاں فارغ ہوا اور میں نے استنجا کیا تو یہ سیاہی اس نجس پانی میں شامل ہو جائے گی جب کہ یہ ادب کے خلاف ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے تقاضے کو دبایا اور میں نے بیت الخلاء سے باہر آ کر اس سیاہی کو پاک جگہ پر دھو دیا۔ جیسے ہی دھویا اسی وقت الہام ہوا،

”احمد سرہندی! اس ادب کی وجہ سے ہم نے تم پر جہنّم کی آگ کو حرام کر دیا۔“

اب یہ عمل دیکھنے میں چھوٹے چھوٹے سے ہیں مگر اللہ رب العزت کے ہاں یہ بڑے موٹے ہیں۔ اس لئے کہ وہاں ہر چیز کو اسی نقطہ نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ ہمارے لئے کیا ہے یا نہیں۔ اسی کو خلوص کہتے ہیں۔ انسان کے اندر خلوص خود بخود پیدا نہیں ہوتا بلکہ ہر ہر عمل میں اخلاص کی نیت کا ہونا سیکھنے سے آتا ہے۔

گناہوں کے ریکارڈ کا خاتمہ:

ذرا غور کیجئے کہ اگر دنیا میں کسی بندے سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے یا سرزد نہ ہو بلکہ اس پر غلط مقدمہ بن جائے تو عدالت تحقیقات کرتی ہے۔ اگر تحقیقات کے بعد پتہ چلے کہ یہ مقدمہ جھوٹا تھا تو عدالت مقدمہ تو خارج کر دیتی ہے مگر اپنے پاس مقدمے کا ریکارڈ ضرور رکھتی ہے۔ اب اگر وہ عدالت سے کہے کہ جی ریکارڈ ختم کر دیں تو عدالت کہے گی، ہرگز نہیں۔ ٹھیک ہے کہ ثابت ہو چکا ہے کہ مقدمہ جھوٹا تھا، تم بے گناہ ہو اور ہم نے مقدمہ بھی خارج کر دیا ہے لیکن ہم اسے اپنے ریکارڈ میں رکھیں گے کہ یہ بھی ایک مقدمہ تھا۔ دنیا کی عدالت کا معاملہ یہ ہے۔ اب ذرا اللہ رب العزت کا معاملہ دیکھئے کہ ایک بندہ واقعی گنہگار تھا، ثابت ہو گیا کہ اس نے جرم کیا تھا لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے آ کر رحم کی اپیل کر دیتا ہے، معافی مانگ لیتا ہے اور توبہ کے کلمات کہہ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کر کے فقط اس کے گناہ ہی معاف نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال سے اس کا ریکارڈ ہی ختم کروا دیتے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ان اعمال کو لکھنے والے فرشتوں کی یادداشت سے بھی وہ گناہ مٹا دیتے ہیں تاکہ وہ قیامت کے دن گواہی بھی نہ دے سکیں......سبحان اللہ......اللہ تعالیٰ نے معافی مانگنے کی اتنی قدردانی فرمائی......!!!

لمحہ فکریہ

عزیز طلباء! جو کام بھی کریں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کریں۔ اللہ تعالیٰ بڑے قدردان ہیں، ہم بے قدرے ہیں۔ ہم تو اتنے بے قدرے ہیں کہ نہ تو اللہ رب العزت کی اتنی قدر کی جتنی کرنی چاہیے تھی اور نہ ہی اللہ کے رسول ﷺ کی کما حقہ قدر کی۔ پروردگارِ عالم کو قرآن مجید میں فرمانا پڑا:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (الزمر: 67) انہوں نے قدر نہیں کی اللہ کی جیسی قدر کرنی چاہیے تھی۔

نہ ہی ہم نے انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والتسلیمات کی پوری طرح قدر کی۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (یٰسٓ: 30) افسوس ہے بندوں پر کوئی رسول نہیں آیا ان کے پاس جس سے ٹھٹھا نہیں کرتے۔

پہلے زمانے میں انبیائے کرام کا مذاق اڑایا جاتا تھا اور آج کے دور میں نبی علیہ السّلام کی مبارک سنتوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ یوں ذہنیت ایک جیسی ہونے کی وجہ سے دونوں ایک جیسے ہیں۔ آج دیکھیں کہ چہرے پر سنت کو سجانا کتنا مشکل ہو گیا ہے۔ نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا،

''قرب قیامت میں ایک وقت آئے گا کہ سنت پر عمل کرنا اتنا مشکل ہو جائے گا جیسے انگارے کو ہتھیلی پر رکھنا مشکل ہے''

آج حال یہ ہے کہ اگر گھر میں شیشے کا دو روپے کا گلاس ٹوٹ جائے تو ماں اپنے بچے کو تھپّڑ لگا دیتی ہے اور اگر وہی بچہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی کسی سنت کو ذبح کر دیتا ہے تو ماں ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ گویا اس ماں نے محبوب ﷺ کی سنت کی قدر دو روپے کے برابر بھی نہ جانی۔

شادی کے موقع پر کہتے ہیں کہ جی سب کو منا لو۔ بھائی بہن کو منا لیتے ہیں ......کزن کو منا لیتے ہیں

...... پڑوسی کو منا لیتے ہیں......اور تو اور اگر کوئی کام کرنے والی بھی روٹھ کے چلی جائے تو اس نوکرانی کو بھی بندہ بھیج کے منوا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جی شادی کا موقع ہے کوئی بات نہیں منا لو۔ ارے! جہاں گھر کے خادموں اور نوکرانیوں کو بھی منا لیا جائے اس شادی کے موقع پر ہم نے کبھی یہ بھی سوچا کہ اس شادی کے موقع پر اللہ کو بھی منا پائیں گے یا ناراض کر پائیں گے۔ یہ بھی نہیں سوچتے کہ اللہ کے محبوب A ہمارے اس کام سے راضی ہوں گے یا ناراض ہوں گے۔ آج کل ہمارے گھر، گلی کوچے اور بازار نبی علیہ السّلام کی سنتوں کی مذبح گاہیں بن چکی ہیں۔ ہمارے گھر میں کتنی سنتیں ذبح ہوتی ہیں، کوئی آنکھ ہے آنسو بہانے والی......کوئی ہے رات کو کڑھنے والا اور رونے والا......بس بچہ کما رہا ہے اور باپ اس سے راضی ہے۔ چاہے حلال لا رہا ہے یا حرام لا رہا ہے۔

ایک صاحب اپنے بیٹے کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے تھے کہ جی میرا بیٹا بڑا اچھا اور بڑا نیک ہے۔ وہ اتنا قابل ہے کہ پچاس ہزار روپے ماہانہ کما تا ہے۔ اتنی بات کرنے کے بعد پھر کہنے لگے، ’’بس وہ تعلیم زیادہ حاصل کر گیا اے، ویسے تھوڑا جیا بے ایمان ہو گیا اے۔‘‘

ہم نے پوچھا کہ آپ کی بات کا کیا مطلب ہے؟......وہ کہنے لگا ’’اوہ آہدا اے بھئی میں رب نوں نئیں مندا۔‘‘

اندازہ کریں کہ وہ پچاس ہزار کمانے پر اس کی تعریفیں کر رہا ہے اور اس کے دہریہ بننے پر اسے احساس ہی نہیں اور کہتا ہے کہ ایسے ہی تھوڑا سا بے ایمان ہو گیا ہے۔ استغفر اللہ

آج وہ وقت آ گیا ہے کہ اگر کسی کو بتا دو کہ میں عربی مدرسے میں پڑھتا ہوں تو دنیا دار حیران ہو کر دیکھتے ہیں کہ پتہ نہیں یہ کیا کر رہے ہیں۔

......آج سبزی بیچنے والے کی قدر ہے،

......تانگہ چلانے والے کی قدر ہے،

......دفتر کے چپڑاسی کی قدد در ہے،

......کمیٹی کے خاکروب کی قدر ہے،

لیکن جب پتہ چل جائے کہ یہ بندہ عربی مدرسہ میں پڑھتا ہے تو لوگ اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہی نہیں ......گویا بے قدروں میں گھر گئے ......یاد رکھیں کہ اس دور میں دین کے اوپر جم جانا اللہ رب العزت کا خصوصی انعام ہے۔ یہ اللہ رب العزت کی رحمت ہے کہ اس نے آپ حضرات کو دین کی محنت کے لئے چن لیا۔

جب ہم کوئی سودا لینے جاتے ہیں تو اگر ہم سودے کے اندر کوئی نقص دیکھتے ہیں تو ہم اسے قبول نہیں کرتے۔ کوئی بندہ بھی عیب دار چیز لینا پسند نہیں کرتا۔ لیکن اللہ رب العزت کی رحمت دیکھئے کہ اس نے بندے کو پیدا کر کے اس کے اندر پائی جانے والی خامیاں بھی گنوا دیں۔

کہیں فرمایا:

وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا (النسآء:28) انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

کہیں فرمایا:

وَ كَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا (بنیٓ اسرآئیل:11) انسان بڑا جلد باز ہے۔

کہیں فرمایا:

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا (المعارج:19) بے شک آدمی بنا ہے جی کا کچا

کہیں فرمایا:

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا (الاحزاب:72) یہ ہے بڑا بے ترس نادان۔

انسان میں اتنے بڑے بڑے نقائص ہیں۔ جب مال میں نقص ہو تو لینے والا نہیں لیتا، مگر اللہ رب العزت کی مہربانی دیکھئے کہ وہ اپنے بندوں پر اتنے مہربان ہیں کہ یک طرفہ سودا کر کے اعلان فرمادیا:

اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰى مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَ اَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَنَّةَ (التوبہ:111) بے شک اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلے میں مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا۔

اسی بات کو ایک شاعر نے یوں کہا ہے،

اتو بہ علم ازل مرا دیدی دیدی آنگہ بعیب بخریدی
تو بہ علم آں و من بعیب ہمہ آں رد مکن آنچہ خود پسندیدی

اے اللہ! تو نے مجھے ازلی علم کے ساتھ دیکھا، تو نے میرے تمام عیوب کے ساتھ مجھے دیکھا اور پھر خرید لیا ،تو وہی علم والا ہے اور میں وہی عیبوں والا ہوں۔ اے اللہ! اب اسے رد نہ کر جسے تو نے خود پسند کیا تھا۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت کے لئے چن لیا ہے آپ بھی اپنی دعا میں یہ اشعار پڑھا کریں۔ اللہ تعالیٰ کی جتنی نعمتیں آج کے انسان پر ہیں اتنی نعمتیں پہلوں پر نہیں تھیں۔ ہم بے موسم پھل کھاتے ہیں۔ پہلے یہ نعمت وقت کے اولیاء کو ملتی تھی۔ اس کے تذکرے قرآن مجید میں ہوئے کہ بی بی مریم کو بے موسم پھل ملے اور آج کا عام آدمی بے موسم کے پھلوں کا جوس پی رہا ہوتا ہے۔ یہ بھی تو پھل کھانا ہی ہوا۔ واہ میرے مولا! ہم پر تیری کتنی نعمتیں ہیں۔ آج بھوکا رہ کر مرنے والوں کی تعداد تھوڑی ہے اور زیادہ کھا کر مرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ بلڈ پریشر، شوگر، ہائی کولیسٹرول اور اس طرح کی مہلک بیماریاں زیادہ کھانے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ تو جتنی نعمتیں آج ہیں اتنی پہلے نہیں تھیں لیکن اللہ

تعالیٰ کے جتنے شکوے آج ہیں اس سے پہلے کبھی نہیں ہوتے تھے۔ ہر بندے کی زبان پر شکوہ ہے......الا ماشاءاللہ...... ذراسی اونچ نیچ ہوجائے تو اللہ تعالیٰ کے شکوے شروع کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی بندہ مسجد میں نہ آرہا ہو تو اس سے پوچھیں، جناب! آپ مسجد میں نماز میں نظر نہیں آتے تو وہ کہے گا کہ ذرا طبیعت خراب تھی ٹھیک ہوگیا تو آؤں گا۔ کسی اور سے پوچھیں کہ آپ مسجد میں کیوں نہیں آتے تو وہ کہے گا کہ ذرا کاروبار کی پریشانی تھی ٹھیک ہوگئی تو آجاؤں گا۔ گویا کہ ذرا بیمار ہوئے یا کاروبار ڈاؤن ہوا تو ہم جو دروازہ سب سے پہلے بھولتے ہیں وہ ہمارے خدا کا دروازہ ہوتا ہے۔ یہ ہماری حالت ہے۔ بکری کو اس کا مالک آواز دیتا ہے تو وہ بکری بھی کھانا چھوڑ دیتی ہے اور مالک کے پیچھے آجاتی ہے لیکن ہمیں کھول کھول کر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ حرام ہے، یہ حرام ہے، یہ حرام ہے لیکن ہم سب کچھ سننے کے باوجود حرام کی جان نہیں چھوڑتے، اس لئے کہ ہم بے قدرے ہیں۔

قریبی رشتہ داروں کی قدر کریں:

آج طبیعتیں ایسی بن گئی ہیں کہ انسان دوسروں کی قدر ہی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے جن رشتوں کو جوڑنے کا حکم دیا ہے ہم سب سے پہلے اس پر قینچی چلاتے ہیں۔ ہماری اسی عادت کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ (البقرہ:27) اور وہ کاٹتے ہیں ان کو جن کو اللہ ملانے کا حکم دیتا ہے۔

ہم تو اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں کی بھی قدر نہیں کرتے۔ بڑا بھائی چھوٹے بھائی کو باپ کی طرح پالتا ہے لیکن جب چھوٹا بھائی جوان ہوجاتا ہے تو بچوں کی معمولی سی بات پر اپنے بڑے بھائی سے بولنا چھوڑ

دیتا ہے۔جس نے خون پسینے کی کمائی سے چھوٹے کو باپ بن کر پالا ،سالہا سال اس کی پرورش کی...... ایم اے تک تعلیم دلوائی......شادی کی......گھر بنوا کے دیا......لیکن بچوں کی چھوٹی سی بات پر یہ چھوٹا اپنے بڑے بھائی کے ساتھ بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔آج ذرا گھروں میں دیکھیں کہ

......بہن بھائی سے نہیں بولتی

...... بھائی بہن سے نہیں بولتا

......بیٹا باپ سے نہیں بولتا

......باپ بیٹے سے نہیں بولتا

......پڑوسی پڑوسی سے نہیں بولتا

......ساس بہو سے نہیں بولتی

......بہو ساس سے نہیں بولتی

...... بھابھی نند سے نہیں بولتی

......نند بھابھی سے نہیں بولتی

......حتیٰ کہ بعض جگہوں پر تو میاں بیوی آپس میں نہیں بولتے۔

بیوی سے پوچھو تو خاوند کے شکوے اور خاوند سے پوچھو تو بیوی کے شکوے۔اگر خاوند مر جائے تو یہی بیوی بیٹھی آنسو بہا رہی ہوگی۔ پوچھا جائے کہ اب کیوں رو رہی ہو تو کہے گی ، جی وہ میرے بچوں کا باپ تھا ......آخر اس نے مجھے چھت دی ہوئی تھی ...... مجھے کوئی بات نہیں کر سکتا تھا......میں عزت کی زندگی گزار رہی تھی......اب اسے اپنے خاوند کی اچھائیاں یاد آنے لگ گئیں۔اور اگر بیوی مر جائے تو خاوند پریشان ہو جاتا ہے۔پوچھا جائے کہ جناب !اب آپ کو کیا ہوا ہے، آپ تو کہتے تھے کہ میں اس کی شکل بھی دیکھنا

پسند نہیں کرتا۔ وہ کہے گا، جی اس نے میرے بچوں کو سنبھالا ہوا تھا...... مجھے گھر کی فکر نہیں ہوتی تھی ...... میں کہیں باہر آتا جاتا تھا تو مجھے تسلّی ہوتی تھی لیکن اب تو میرے لئے مصیبت بن گئی......اب بیوی کی قدر آگئی۔ بھئی! یہ قدر جو ہم مرنے کی بعد کرتے ہیں کیا اس کی زندگی میں قدر نہیں کر سکتے۔اس ناقدری کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نعمتوں کی موجودگی میں نعمتوں کی قدر نہیں کرتے اور جب نعمتیں چھن جاتی ہیں تب ہمیں ان کی قدر آتی ہے۔

انگریزوں میں دستور ہے کہ جب کوئی مرجاتا ہے تو اس کی قبر پر منوں ٹنوں کے حساب سے پھولوں کے ڈھیر لگا دیتے ہیں۔اس پر کسی انگریز نے ایک نظم لکھی۔اس وقت پوری نظم تو نہیں سنا سکتے۔اس کا پہلا مصرعہ بہت ہی عجیب ہے۔اس نے لکھا:

Why do we wait till a person die?

یہ کیا بات ہے کہ کوئی مرتا ہے تو ہم پھول لے کے جاتے ہیں، ہم کسی کے مرنے کا انتظار کیوں کرتے ہیں؟

ارے! اس کا کیا فائدہ، اگر تم اس کی زندگی میں اس کو پھول پیش کرتے تو اسے بھی خوشی ہوتی اور خود تجھے بھی خوشی ہوتی۔ ہمارے ہاں بھی مشہور ہے کہ

”بندے دی قدر آندی اے مرگیاں یا ٹرگیاں“

یعنی انسان کی قدر اسی وقت آتی ہے جب وہ مرجاتا ہے یا کہیں چلا جاتا ہے۔ایسی سوچ رکھنے والے احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اولاد کی قدر کریں، بیوی کی قدر کریں، اللہ کی نعمتوں کی قدر کریں، پیر استاد کی قدر کریں، نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی قدر کریں اور اپنے رب رحمان کی قدر کریں۔ناقدرے نہ بن جائیں کیونکہ جب انسان اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کرتا ہے تو پروردگار کو جلال

آتا ہے۔

ہمیں چاہئے کہ ہم ماں باپ کی قدر کریں، اس لئے کہ ماں باپ اگر ہڈیوں کا ڈھانچہ بھی ہوں تو ان کا وجود اولاد کے لئے اللہ کی رحمت ہوتا ہے۔ وہ چارپائی پر لیٹے بھی رہیں تو وہ جو دعائیں کر رہے ہوتے ہیں، اولاد ان دعاؤں کا کوئی بدلہ نہیں دے سکتی۔ وہ تو ماں باپ ہی جانتے ہیں کہ ان کا دل اپنی اولاد کے بارے میں کس قدر تڑپ رہا ہوتا ہے۔

شیخ کی قدرومنزلت:

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب شیخ زندہ ہوتے ہیں تو مریدین اس کی قدر نہیں کرتے۔ ان کو اپنے معمولات کرنے کی فرصت نہیں ملتی اور جب شیخ دنیا سے چلے جاتے ہیں تو وہ موٹے موٹے آنسو گرا رہے ہوتے ہیں اور کہتے پھر رہے ہوتے ہیں کہ اب اس جیسا شیخ ہمیں نظر نہیں آتا۔ ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ دارالعلوم دیوبند سے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد پڑھانے کے لئے تشریف لائے۔ وہ مسلم شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ وہ ہمارے حضرت کی خدمت میں دو سال تک رہے، وہ صبح وشام حضرت کا درس بھی سنتے تھے اور ان کو حضرتؒ سے بڑی عقیدت ومحبّت تھی۔ وہ دو سال تک سوچتے ہی رہے کہ میں حضرتؒ سے بیعت ہو کر فیض پاؤں گا، مگر دو سال کے بعد ہمارے حضرتؒ کی وفات ہوگئی۔ اب انہوں نے سوچا کہ میں بیعت کا تعلّق کن سے جوڑوں کیونکہ انہیں ہمارے حضرتؒ جیسا کوئی دوسرا بندہ نظر ہی نہ آیا۔ اس بات کو سوچ کر وہ اکثر رو دیا کرتے تھے۔ بالآخر وہ حضرتؒ کے غلاموں میں سے کسی غلام کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں بتا نہیں سکتا کہ میں نے زندگی میں کتنی بڑی غلطی کر لی، اگر میں ان سے بیعت ہو کر ایک مہینہ بھی ان کے ساتھ گزار لیتا تو شاید میرے باطن کے بننے کیلئے اتنا ہی کافی ہو جاتا۔ ان کا رونا آج بھی جب یاد آتا ہے تو احساس ہوتا ہے کہ نعمتوں

کی موجودگی میں کر لینی چاہئے۔یہی سب سے اعلیٰ بات ہوتی ہے۔اگر یہ نکتہ سمجھ میں آ گیا تو یوں سمجھیں کہ اس جگہ پر حاضری کا مقصود حاصل ہو گیا۔

پیراستاد سے بدگمانی:

ہم مسلمانوں کا یہ حال بنا ہوا ہے کہ ہم نے جس پیر استاد سے پڑھا ہوتا ہے اس کی بھی بے قدری کرتے ہیں۔کوئی ذرا سی بات ہو یا نہ ہو،بس سنی سنائی بات پر بدگمانی کرنے لگ جاتے ہیں۔حالانکہ اس بدگمانی پر ہمارے پاس کوئی دلیل بھی نہیں ہوتی۔

ایک ناقابلِ عمل مشورہ:

ایک مرتبہ ایک صاحب حرم شریف میں ملے۔وہ کہنے لگے،جی مجھے آپ سے محبّت تو بہت ہے لیکن آپ کے بارے میں دل میں تھوڑی سی بدگمانی بھی ہے۔میں نے کہا،اللہ خیر کرے،اللہ میری اصلاح فرمادے،اگر آپ نشان دہی کر دیں تو میں آپ کو اپنا محسن سمجھوں گا۔وہ کہنے لگے،جی بدگمانی یہ ہے کہ جب آپ بیان کرتے ہیں تو لوگ گناہوں سے توبہ کرنے کے لئے فوراً سوچ لیتے ہیں،پھر وہ بیعت ہونے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور آپ اسی محفل میں ان کو بیعت بھی کر لیتے ہیں۔میرے دل میں یہ بات آئی کہ آپ ان کو سوچنے کا موقع دیا کریں اور کچھ دنوں کے بعد بیعت کیا کریں۔اب ذرا سوچئے کہ گویا وہ مشورہ دے رہے تھے کہ

......جب اللہ کی رحمت اتر چکی ہوتی ہے

......جب دل موم ہو چکے ہوتے ہیں

......اور جب بندے توبہ کرنے کے لئے تیار ہو چکے ہوتے ہیں

تو اس وقت شیطان کو ورغلانے کے لئے ایک دو دن کا موقع مل جانا چاہئے اور بعد میں اگر کوئی بیعت ہونے کے لئے آئے تو بیعت کر لیا کریں ...... نہ سر نہ پیر ...... میں نے کہا کہ میں سمجھ رہا تھا کہ کوئی اور بات ہوگی اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرما دے۔

میں نے کہا، او میاں! دلوں کا رشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانا کسی بندے کے بس کی بات نہیں ہوتی بلکہ یہ اللہ رب العزت کی رحمت اترنے کی خاص نشانی ہوتی ہے۔ پھر میں نے کہا، آپ ذرا کسی بندے کے سامنے کوئی بات کریں اور اس بندے کو اسی وقت توبہ کرنے پر آمادہ کریں۔ وہ کہنے لگے، اگر میں ساری عمر لگا رہوں گا تو کوئی بھی میری بات نہیں مانے گا۔ میں نے کہا کہ یہ بندے کے بس کی بات نہیں ہوتی، کہنے والا بھی اللہ کی طرف توجہ کر کے بیٹھا ہوتا ہے، وہ بھی اللہ کے دربار سے مانگ رہا ہوتا ہے اور سننے والے بھی اللہ کے دربار سے مانگ رہے ہوتے ہیں، اور جب دردِ دل کی ساتھ کوئی بات کہی جاتی ہے تو ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ رحمتِ الٰہی کو جوش آجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ دلوں کو موم کر کے توبہ کے لئے تیار فرما دیتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کمال درجہ کی قدردانی ہے۔

نعمت کی ناقدری پر عبرتناک سزا ملنے کا واقعہ:

عزیز طلباء! نعمتوں کی قدردانی انکی موجودگی میں کرتے رہنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ رب العزت کا جلال ظاہر ہو جائے ...... ایک عورت تنور پر روٹیاں پکایا کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بیٹا دیا۔ اس کا بیٹا چلنے پھرنے کی عمر کا ہو گیا۔ اسے اپنی ماں کے ساتھ بہت محبّت تھی۔ لہٰذا وہ ماں کے ساتھ ہی ہر وقت چمٹا رہتا تھا۔ ماں چاہتی تھی کہ روٹیاں پکاتے وقت یہ کہیں کھیلے، آرام کرے یا سو جائے، لیکن وہ پھر اٹھ کر آجاتا تھا۔ ایک دن وہ بڑی تنگ ہوئی۔ لہٰذا اس نے اسے بستر پر لٹایا اور کہا، خبردار! اگر اب تو میرے پیچھے آیا تو میں ماروں گی، آنکھیں بند کر اور سو جا۔

اس کے بعد اس نے اپنا کام شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بچہ اٹھا اور روتا ہوا پھر آ گیا۔ وہ ان پڑھ جاہل تھی لہٰذا اس نے غصے میں کہہ دیا،

''مڑ اُٹھی کے آگیا ایں تُوں تاں سُتا سئیں ونجیں ہا'' تُو پھر اُٹھ کر آ گیا ہے تُو تو سویا سو ہی جاتا۔

مطلب یہ کہ تجھے تو سلایا تھا تو ہمیشہ کی نیند سو ہی جاتا تو بہتر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بددعا کو قبول فرما لیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس وقت بچے کو موت نہ دی۔ وہ بچہ بڑا ہوا، سکول کے اندر تعلیم میں فرسٹ آیا، کالج کے اندر بھی فرسٹ آیا، حتیٰ کہ ایک کامیاب بزنس مین بنا، وہ اتنا خوب صورت تھا کہ جب وہ گلیوں میں چلتا تھا تو مرد لوگ اسے دیکھ کر رشک کرتے کہ جوان بیٹا ہو تو ایسا ہونا چاہیے۔

ماں نے اسکے رشتے کے لئے اپنے پورے خاندان میں سے چن کر لڑکی ڈھونڈی۔ شادی کے لئے تیاریاں مکمّل کر لیں۔ ابھی شادی میں ایک دو دن باقی تھے کہ کوئی کام کرتے ہوئے اس نوجوان کا پاؤں پھسلا، وہ گردن کے بل گرا اور اس کی جان نکل گئی۔ اب جب ماں نے اس کی لاش دیکھی تو وہ اپنا دماغی توازن کھو بیٹھی اور پاگل ہو گئی۔ وہ اتنا بڑا صدمہ برداشت نہ کر سکی۔

اب وہ گلیوں میں پاگلوں کی طرح پھرتی رہتی اور تنکے چنتی رہتی۔ لڑکے اسے پاگل کہہ کر چھیڑتے تھے۔ مگر وہ پاگل نہیں تھی۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے جلال میں آ کر بیٹے والی نعمت لے لی تھی۔ گویا بددعا کے وقت اللہ تعالیٰ نے اسے فرما دیا کہ اچھا میں نے تمہیں بیٹے کی نعمت دی تھی اور تو اس کی ناقدری کرتے ہوئے بددعا دیتی ہے کہ تو سویا ہی سو جاتا، ہاں، میں ابھی اس کو موت نہ دوں گا، بلکہ میں اس نعمت کو پروان چڑھنے دوں گا، حتیٰ کہ جب یہ پھل پک کر تیار ہو جائے گا تو میں تیار شدہ پھل کو توڑوں گا تاکہ تجھے احساس ہو کہ تو نے میری کس نعمت کی ناقدری کی ہے۔

وہ عورت اپنے بیٹے کی یاد میں یہ پڑھا کرتی تھی،

آوے ماہی تینوں اللہ وی لیاوے تے تیریاں نت وطناں تے لوڑاں
کملی کر کے چھوڑ گیوں تے میں ککھ گلیاں دے رولاں

یہ عاجز اسی لیے بار بار کہا کرتا ہے کہ نعمتوں کی قدر دانی کے لئے نعمتوں کے چھن جانے کا انتظار نہ کرنا۔ جب اللہ تعالیٰ نعمت کو چھین لیتے ہیں تو پھر دوبارہ ناقدروں کو نہیں دیا کرتے۔ اس لئے نعمت کی موجودگی میں اس کی قدر دانی کی عادت ڈالیں...... گھر نعمت ہے...... بیوی نعمت ہے...... اولاد نعمت ہے...... ماں باپ نعمت ہیں...... بہن بھائی نعمت ہیں...... مسلمان بھائی نعمت ہے...... صحت نعمت ہے...... سکون نعمت ہے...... رزقِ حلال نعمت ہے...... اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ سب نعمتیں عطا کر دی ہیں، ہمیں چاہیے کہ ہم ان کی ضرور قدر دانی کریں۔

بد دعا دینے اور لینے سے بچیں:

آج اس بے قدری والے گناہ سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ حق بھی یہی ہے کہ جس کا کھاؤ اسی کے گیت گاؤ۔ جب کہ ہم رب کا دیا کھاتے ہیں اور مخلوق کے سامنے دامن پھیلاتے ہیں۔ بہنیں ذرا سی بات پر بھائی کو بد دعائیں دینا شروع کر دیتی ہیں۔ آپ ذرا گھروں میں معلوم کر لیجئے۔ بھائی اپنی بہنوں کے ساتھ اچھائی کا وہ سلوک نہیں کرتے جو کرنا چاہیے۔ چھوٹی عمر ہونے کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ اب چونکہ بھائی ہمت میں زیادہ ہوتے ہیں اس لئے چیزیں چھین لیتے ہیں اور ایک آدھ تھپّڑ لگا دیتے ہیں۔ پھر وہ بہن آگے سے بات تو نہیں کر سکتی مگر وہ بد دعائیں دینا شروع کر دیتی ہے۔ اب اس بہن نے کبھی یہ سوچا کہ جس بھائی کو آج میں بد دعا دے رہی ہوں، اگر اللہ نے اس بد دعا کو قبول کر لیا تو میرے بھائی کا کیا انجام ہوگا۔ جب وہی بھائی پکڑ میں آتا ہے تو اب یہی بہن دعائیں مانگ رہی ہوتی ہے کہ اے اللہ! میرے بھائی کو شفا دے دے، میرے

بھائی کا کاروبار ٹھیک ہو جائے اور میرے بھائی کی فلاں پریشانی دور ہو جائے۔کبھی بہن نے سوچا ہے کہ یہ تو میری اپنی ہی بددعا کا نتیجہ ہے۔

پیارے پروردگار کا پیار بھرا پیغام:

عزیز طلباء! پروردگارِ عالم بندے کو اپنے در سے کبھی خالی نہیں جانے دیتے۔حق یہ بنتا ہے تھا کہ اگر کوئی بندہ اللہ رب العزت کے در سے رخ پھیر کر واپس جانا چاہتا تو اللہ تعالیٰ دروازہ بھی بند کر دیتے اور پیچھے سے ایک اس کو ایک دھکا بھی لگوا دیتے کہ جا دفع ہو جا، مگر نہیں، جو بندہ اللہ تعالیٰ کے در کو چھوڑ کر جا رہا ہوتا ہے پروردگار عالم اپنے اس بندے کو اپنی طرف واپس بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں،

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ (الانفطار:6) اے انسان! تجھے تیرے کریم پروردگار سے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا۔

کیوں دھوکے میں پھرتا ہے؟ دنیا کے پیچھے کیوں بھاگ رہا ہے؟ لوگوں سے کیوں دل لگاتا پھرتا ہے؟ فانی حسن کے پیچھے کیوں بھاگا پھر رہا ہے؟ ارے! چند ٹکوں کی متاع کے پیچھے بھاگنے والے! تیرا کریم پروردگار تیری طرف متوجہ ہے اور چاہتا ہے کہ تو اس کے قریب ہو جائے۔دنیا کے لوگ کہتے ہیں کہ

میرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے　انہی پتھروں پہ چل کے اگر آسکو تو آؤ

یہ دنیا والوں کی باتیں ہیں جب کہ پروردگار کا معاملہ کچھ اور ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندے! اگر تو ایک بالشت میری طرف آئے گا تو میری رحمت تیری طرف دو بالشت آئے گی، اگر تو ایک ہاتھ میری طرف آئے گا تو میری رحمت دو ہاتھ آئے گی اور اگر تو میرے در کی طرف چل کے جائے گا تو میری رحمت تیری طرف دوڑ کے آئے گی۔تیرا کریم پروردگار تو متوجہ ہے مگر تو کب توبہ کرے گا؟ تو کب اپنے

رب سے صلح کرے گا؟ تو کب گناہوں کو چھوڑے گا؟ تو کب شیطان کے در کو چھوڑ کر اپنے رب رحمان کی طرف متوجہ ہوگا؟......جیسے ماں اپنے روٹھے ہوئے بچے کو پیار سے کہتی ہے کہ اے میرے بیٹے! امی سے ناراض نہیں ہوتے، تیری ماں تجھ پر کتنی شفیق ہے۔لگتا ہے کہ پروردگار بھی اسی انداز میں فرما رہے ہیں،

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ (الانفطار:6) اے انسان! تجھے تیرے کریم پروردگار سے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا۔

کریم پروردگار کے کرم کی انتہا:

جب بندہ نوے سال کا ہوجاتا ہے تو اس کی کمر جھک جاتی ہے اور وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن جاتا ہے، پیٹ میں آنت نہیں رہتی، منہ میں دانت نہیں رہتے، اس حالت میں لوگ اس کی بات سننا گوارا نہیں کرتے، وہ ہر وقت کھانستا رہتا ہے، لوگ اسے اپنی جگہ سے اٹھا دیتے ہیں، گھر میں کوئی بھی اس کی قدردانی کرنے والا نہیں ہوتا، کوئی پاس بٹھانے والا نہیں ہوتا، اس کی کوئی ویلیو (قدر) نہیں ہوتی......اس وقت اگر وہ محسوس کرتا ہے کہ میں نے اب تک گناہ کیے، مالک کو ناراض کیے رکھا، میں اب اس نوے سال کی عمر میں اپنے مالک کو راضی کرلیتا ہوں، اگر وہ لاٹھی کے سہارے کپکپاتا ہوا اللہ کے در پر حاضر ہوجاتا ہے اور اللہ سے معافی مانگتے ہوئے کہتا ہے کہ اے مالک! میں اب تک بھولا رہا، اے اللہ! میں بڑی دور سے آیا ہوں اور بڑی دیر سے آیا ہوں، میں نے کوئی نماز نہیں پڑھی، میں نے اپنی پوری زندگی گناہوں میں گزار دی، اے اللہ! میں جوانی لٹا بیٹھا، مال لٹا بیٹھا، میرا حسن و جمال زائل ہوگیا، اے اللہ! اب تو کوئی بھی میری بات نہیں سنتا، دنیا میں میرا کوئی بھی اپنا نہیں۔اے اللہ! اس حال میں تیرے سامنے آیا ہوں۔

رب کریم اس سے یہ نہیں پوچھتے کہ میرے بندے! اب کیا لینے آئے ہو؟ تمہارے پاس کیا بچا ہے؟ یہ بالکل نہیں پوچھتے بلکہ فقط اسکے آنے کی قدردانی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرے بندے! تو چل کے آ گیا ہے، ہم تیرے چل کے آنے کو قبول کر کے تیرے گناہوں کو فقط معاف ہی نہیں کرتے بلکہ ہم اتنے کریم ہیں کہ تیرے کئے ہوئے گناہوں کو تیری نیکیوں میں تبدیل فرما دیتے ہیں۔ سبحان اللہ۔

رب کریم کا اور کرم دیکھیئے۔ اگر کوئی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو لیکن وہ سچی توبہ کر لے تو اب کوئی بندہ اس کو گناہ کا طعنہ نہیں دے سکتا۔ روایت میں آیا ہے کہ جس نے گناہ کبیرہ سے سچی توبہ کر لی اور اس کے باوجود اس کو کسی بندے نے اس گناہ کا طعنہ دیا تو یہ طعنہ دینے والا اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ خود اس گناہ میں مبتلا نہیں ہو جائے گا۔ پروردگار عالم اتنے قدردان ہیں کہ وہ معاف بھی کر دیتے ہیں اور طعنہ دینے والے لوگوں کی زبانیں بھی بند کروا دیتے ہیں کہ تم میرے بندے کو طعنہ کیوں دیتے، وہ میرے ساتھ صلح کر چکا ہے تم کون ہوتے ہو طعنہ دینے والے۔ فرمایا کہ اسے مت طعنہ دو، اگر دو گے تو ہم تمہیں اسی گناہ میں ملوث کر کے تمہیں بھی گناہ کی ذلت دکھا دیں گے۔

نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مجمع میں ایک بندے کی توبہ قبول ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کی برکت سے پورے مجمع کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السّلام نے وعظاً بلیغاً فرمایا اور سننے والے صحابہ میں سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہو گیا۔ اس ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے رونے پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کا رونا اللہ رب العزت کو اتنا پسند آ گیا کہ محفل میں لوگوں نے جتنا بھی مانگا اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا۔ کسی عارف نے کیا ہی اچھی بات کہی،

بیگناہوں میں چلا زاہد جو اس کو ڈھونڈنے مغفرت بولی، ادھر آ میں گناہگاروں میں ہوں

وہ کرشمے شانِ رحمت نے دکھائے روز حشر　　چیخ اٹھا ہر بیگناہ میں بھی گناہگاروں میں ہوں

ایک سبق آموز واقعہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک بوڑھا آدمی مسلمان ہوا اور تابعین میں سے بنا۔ اس نے اپنی پہلی زندگی گانا گانے میں گزار دی تھی۔ اس کی آواز بڑی اچھی تھی۔ جب وہ گانا گاتا تھا تو لوگ اس کے شیدائی تھے۔ اس کے گرد سینکڑوں لوگوں کا مجمع ہوتا تھا۔ اس کی آمدنی بے شمار تھی۔ اس کی اولاد نہیں تھی اور اس کی بیوی بھی فوت ہو گئی۔

جب وہ بوڑھا ہو گیا تو دانت گر گئے جس کی وجہ سے وہ گا ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کی آمدنی کا ذریعہ ختم ہو گیا۔ وہ مانگنے کے لئے واقف لوگوں کے پاس جاتا رہا۔ وہ کچھ عرصہ تو اسے دیتے رہے لیکن کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے بھی ان کو نہ کر دی۔ جب سب دوستوں نے نہ کر دی تو کئی کئی دن تک کھانے کو نہ ملتا۔ اس کو اپنی جوانی یاد آتی کہ میں اتنا حسین تھا، میری آواز کوئل کی مانند تھی، جب میں گاتا تھا تو ہزاروں لوگ میری آواز پر مرتے تھے اور میری جھلک دیکھنے کو ترستے تھے لیکن آج میں دھکے کھاتا پھرتا ہوں اور کوئی بندہ مجھے ایک وقت کا کھانا دینے کو بھی تیار نہیں ہے۔ اس بڑھاپے، کمزوری اور بھوک کی حالت میں اس کا دل بڑا ہی کھٹا ہوا۔ اس نے سوچا کہ کاش! یہ راتیں میں اللہ کے لئے جاگا کرتا تو اللہ تعالیٰ تو مجھے کبھی اپنے دربار سے نہ دھتکارتے، لیکن میں نے تو اپنی جوانی ضائع کر دی۔ نہ حسن و جمال رہا، نہ مال رہا اور نہ ہی کچھ اور میرے پلے رہا، اب میں رب کو کیسے مناؤں۔

چنانچہ وہ اسی سوچ میں گم ہو کر جنت البقیع میں چلے گئے اور قبروں کے درمیان ایک جگہ بیٹھ کر اپنی جوانی کو یاد کر کے رونے لگ گئے۔ انہوں نے روتے روتے دعا مانگی،

''رب کریم! میں نے اپنی جوانی ضائع کر دی، اب میرے پاس کچھ بھی نہیں کہ میں آپ کے حضور پیش کر

سکوں، میرے منہ میں دانت نہیں، پیٹ میں آنت نہیں، اب میں بوڑھا ہوں، لاٹھی کے سہارے چل کے آیا ہوں، نہ آنکھوں میں بینائی ہے نہ کانوں میں سماعت ہے، اے مالک! اب میں شرمندہ ہوں مگر میں یہاں آکر بیٹھا ہوں تاکہ میں اپنی قبر کے قریب ہو جاؤں۔''

یہ واقعہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب وہ آدمی اپنے گناہوں پر نادم وشرمندہ ہو کر رویا تو اس کی آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اٹھا تو دیکھا کہ سامنے سے ایک آدمی چلا آرہا ہے۔ جب اس نے دیکھا تو وہ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے اور انہوں نے اپنے سر کے اوپر کچھ اٹھایا ہوا تھا۔ وہ ڈر گیا کہ اب امیر المومنین آگئے ہیں، وہ تو مجھ جیسوں کا درے سے انتظام کرتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ مجھے بھی چند درے لگ جائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا اور کچھ آگے چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد لوٹ کر دوبارہ اس کی طرف آئے۔ جب اس نے انہیں دوبارہ اپنی طرف آتے دیکھا تو اور زیادہ ڈر گیا کہ یہ پھر میری طرف آرہے ہیں، پتہ نہیں میرا کیا بنے گا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے پاس آئے تو انہوں نے وہ گٹھڑی اپنے سر سے اتار کر اس کے سامنے رکھی اور فرمانے لگے، ''بھائی کھانا کھاؤ۔''

وہ بوڑھا حیران ہوا کہ امیر المومنین مجھے کھانا پیش کر رہے ہیں۔ اس نے پوچھا، ''اے امیر المومنین! آپ میرے لئے کھانا کیسے لائے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ''دوپہر کا وقت تھا، میں قیلولہ کر رہا تھا کہ میں نے خواب دیکھا، مجھے خواب میں اللہ رب العزت کی طرف سے پیغام دیا گیا کہ میرا ایک دوست قبرستان میں پریشان بیٹھا ہے، وہ بھوکا ہے، عمر! جاؤ اور میرے اس دوست کو کھانا کھلا کے آؤ، جب میری آنکھ کھلی تو میں نے سوچا کہ اللہ کا دوست ہے، چنانچہ میں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ جو کھانا تیار ہے وہ دے دو، اس نے کھانا باندھ دیا، میں نے کہا کہ میں اللہ کے دوست کی طرف جا رہا ہوں، لہٰذا کھانا

ہاتھوں میں اٹھا کر نہیں بلکہ اپنے سر پر اٹھا کے لے جاتا ہوں تا کہ اللہ کے دوست کا اکرام ہو سکے، اس لئے عمر کھانا سر پر اٹھا کر آیا ہے، اے اللہ کے دوست کھانا کھالو۔"

جب اس نے یہ سنا تو کہنے لگا، اچھا، میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے اپنے رب کے سامنے توبہ کی تھی، میرا پروردگار کتنا کریم ہے کہ اس نے میرے تمام گناہوں کے باوجود میری ندامت کو قبول کرلیا اور وقت کے امیر المؤمنین کو خواب میں حکم دیا کہ جاؤ، میرے دوست کو کھانا کھلا کے آؤ، اے اللہ! تو کتنا کریم ہے۔

اس بات کو سن کر وہ بوڑھا اتنا رویا کہ وہیں روتے روتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس نے اپنی جان اللہ کے حوالے کر دی...... اللہ اکبر...... اللہ رب العزت بڑے قدردان ہیں۔ جس طرح اللہ رب العزت قدردان ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ صفت عطا فرما دیں۔

دارالعلوم جھنگ...... منزل کی طرف رواں دواں:

عزیز طلباء! جب بھی کوئی بندہ اللہ رب العزت کی رضا جوئی کی خاطر دین کا علم حاصل کرنے کے لئے اپنے آرام، اپنی نینداور اپنی آسائشوں کو قربان کرتا ہے تو اس کی یہ قربانیاں ضرور رنگ لاتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ قدردان ہیں اور وہ بندے کی قربانیوں کو ضائع نہیں فرماتے۔ وہ وعدہ دے چکے ہیں کہ مرد ہو یا عورت ہو، میں کسی کے کئے ہوئے عمل کو ضائع نہیں کروں گا۔ یہاں مختلف شہروں اور مختلف قبیلوں سے طلباء آئے ہوئے ہیں، اگرچہ طلباء کی تعداد کے حساب سے جگہ کم ہے لیکن انشاء اللہ اللہ تعالیٰ اس کو کھلا بھی کر دیں گے۔ آج آپ بیٹھنے کے لئے جگہ ڈھونڈتے ہیں، انشاء اللہ وہ وقت بھی آئے گا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کھیلنے کے لئے بھی جگہ عطا فرما دیں گے۔

ادارے ایسے ہی بنتے ہیں۔ جب درخت شروع میں زمین سے نکلتا ہے تو اس وقت چھوٹا سا پودا ہوتا ہے، وہ اتنا کمزور ہوتا ہے کہ اسے چڑیا بھی چگ لیتی ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاتے

ہیں اور اس کی نشو ونما فرماتے ہیں، جب تن آور درخت بن جاتا ہے تو بندے بھی اس کے ساتھ لٹکتے پھریں تو اس کو پروا ہی نہیں ہوتی ۔ ادارے بھی ایسے ہی ہوتے ہیں ۔ ہمارا یہ ادارہ (دارالعلوم جھنگ) بھی بچپن کے بعد اب لڑکپن کی زندگی گزار رہا ہے اور جوانی کی طرف جا رہا ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس ادارے کو پھلتا پھولتا دیکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

عمارت کا بنالینا آسان ہوتا ہے لیکن اصل چیز یہ کہ متقی اور مخلص اساتذہ کی جماعت مل جائے۔ کئی مرتبہ لوگ محل کھڑا کر لیتے ہیں لیکن اس محل کا نام مدرسہ نہیں ہوتا بلکہ مدرسہ اساتذہ کی جماعت کا نام ہے۔ وہ جہاں بیٹھ جائیں وہی جگہ مدرسہ بن جاتی ہے۔ ہماری ہر وقت یہ کوشش ہوتی ہے کہ ہم اپنے مدرسہ میں علمی لحاظ سے قابل ترین استاد کو لائیں اور ان کو یہاں رہنے کے لئے جتنا اچھے سے اچھا ماحول دیا جا سکتا ہے ان کو پیش کریں تا کہ وہ بچوں کو اپنی علمی قابلیت استعمال کرتے ہوئے اخلاص کے ساتھ پڑھائیں اور بچے ان سے علمی فائدہ اٹھائیں ۔ الحمدللہ ہر سال ایک دو استاد اس جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں اور الحمدللہ کچھ طلباء بھی اس قافلے میں شامل ہو جاتے ہیں ۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

اللہ تعالیٰ نے کچھ کارواں بنا دیا ہے آئندہ سال اللہ تعالیٰ اسے اور بڑا کر دے گا۔ انشاءاللہ۔

ہم ایک جماعت ہیں۔ ایک ہوتی ہے بھیڑ اور ایک ہوتی ہے جماعت ۔ بھیڑ میں بھی بہت سارے لوگ ہوتے ہیں اور جماعت میں بھی بہت سارے لوگ ہوتے ہیں مگر ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ جہاں بھیڑ ہوتی ہے وہاں لوگوں کی سوچیں اپنی اپنی ہوتی ہیں اور ایک جماعت کے لوگوں کی سوچیں ایک جیسی ہوتی ہیں ۔ چونکہ ہم ایک جماعت ہیں اسلئے ہم سب کی سوچ ایک ہی ہے اور وہ سوچ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائیں ۔ اس کو راضی کرنے کے لئے ہم یہ کتابیں پڑھتے ہیں ......اس کو راضی کرنے

کے لئے ہم اساتذہ کی خدمت میں وقت گزارتے ہیں ......اور اس کو راضی کرنے کے لئے ہم مشائخ کے پاس آتے ہیں ......گویا ہمارے ہر کام کا اصل مقصد رضوان من اللہ اکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (الزمر:3) خبردار! دین خالص صرف اللہ کے لئے ہے۔

یہ عاجز ہر وقت اس سوچ میں رہتا ہے کہ آپ کے لئے آرام دہ اور آسائش والی جگہ کا انتظام کیا جائے اور آپ کا کام ہے کہ شوق اور محبّت سے پڑھیں اور علمی ماحول بنائیں، اخلاص کے ساتھ عمل والا ماحول بنائیں، ذکر اذکار والا ماحول بنائیں اور فسق و فجور سے ہر ممکن بچنے کی کوشش کریں تاکہ قیامت کے دن اللہ رب العزت کے حضور ہم سب کامیاب ہو جائیں۔

یہ عاجز بندہ جب دور بھی بیٹھا ہوتا ہے تو اساتذہ اور طلباء کے لئے دعائیں کر رہا ہوتا ہے۔ اس عاجز کی زندگی کا شاید ہی کوئی دن خالی جاتا ہو کہ جس دن تہجّد میں اس مدرسہ کے اساتذہ اور طلباء کے لئے دعا نہ کرتا ہوں۔ الحمدِللہ، اللہ تعالیٰ توفیق دے دیتے ہیں۔ یہ اس عاجز کا کمال نہیں بلکہ یہ اس کمال والے کا کمال ہے۔ وہ جب چاہتا ہے، نااہلوں پر بھی اپنی رحمتیں نازل فرما دیتا ہے۔ یہ بات تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ میں سے اکثر لوگ ایسے ہیں جن سے میرا ذاتی قرب بھی ہے اور ان کو زیادہ پہچانتا بھی ہوں۔ اس عاجز نے تہجّد کے اوقات میں ان کے لئے دعائیں مانگیں، اتنی دعائیں تہجّد کے اوقات میں آپ کے اپنے والد نے بھی نہیں مانگی ہوں گی۔ الحمد للہ بلاناغہ دعائیں مانگتا ہوں۔ جب دعا مانگتا ہوں تو اگرچہ نام تو نہیں لیتا لیکن ان کے چہرے میرے سامنے ہوتے ہیں۔ علماء کے ناموں اور چہروں سے تو میں ویسے ہی واقف ہوں، طلباء میں سے بھی کچھ ایسے حضرات ہیں جن کو عاجز کی دعاؤں میں سے

حصہ ملتا ہے۔اس عاجز کے پاس دینے کے لئے فقط دعا ہے اور میرے مالک کے پاس دینے کے لئے بڑے خزانے ہیں۔

تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ اس سال حج کے موقع پر اللہ رب العزت نے اس عاجز کو ملتزم سے لپٹ کر دعا مانگنے کی توفیق دی......ملتزم ایک ایسی جگہ ہے جو حجرِ اسود اور بابِ کعبہ کے درمیان ہے۔ حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ اس جگہ جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔ایک اور حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ جو بندہ اس جگہ سے لپٹ گیا وہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ معانقہ کرلیا۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس جگہ پر اس طرح لپٹ جاتے تھے جیسے کوئی بچہ اپنی ماں کے سینے کے ساتھ لپٹ جاتا ہے۔ شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ فرماتے ہیں کہ محدثین نے فرمایا کہ ہم میں سے جس جس نے وہاں دعائیں مانگیں ہر ایک نے تصدیق کی کہ اس جگہ پر مانگی ہوئی دعائیں قبول ہوگئی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح حدیث کا متن صحیح سند کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے اسی طرح ان محدثین کی تصدیق بھی تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ اس جگہ پر محدثین کی مانگی ہوئی دعائیں بھی قبول ہوئی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اب میں اس کتاب میں یہ حدیث مبارکہ لکھ رہا ہوں تو میں بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ میری دعائیں بھی قبول ہوئی ہیں......آپ خود اندازہ لگائیں کہ وہ کیسی قبولیت والی جگہ ہے۔

الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کو بھی وہاں دعا مانگنے کا شرف عطا فرمایا۔ان بیس منٹوں میں اس عاجز نے اس مرتبہ ایک ہی دعا مانگی،

”اے اللہ! جتنے لوگ اس عاجز کے ساتھ روحانی تعلّق رکھتے ہیں اور جتنے بھی طلباء اور طالبات اس عاجز کے اداروں میں پڑھتے ہیں ان سب کو اپنے مقرب بندوں اور بندیوں میں شامل فرمالیجئے۔اور قیامت تک ان اداروں میں جو لوگ بھی آکر پڑھتے رہیں گے ان کو بھی اپنے مقرب بندوں میں شامل فرما

دیجئے اور ہمارے اس ادارے کو عَيۡنًا يَّشۡرَبُ بِهَا الۡمُقَرَّبُوۡنَ (المطففین:28) کا مصداق بنا دیجئے۔“

ہمارے بڑے دور بیٹھ کر ہمارے لئے دعائیں کرتے تھے اور اب ہم اپنے دوست احباب کے لئے دور بیٹھے دعائیں کرتے ہیں۔

دور بیٹھا کوئی تو دعائیں دیتا ہے　میں ڈوبتا ہوں سمندر اچھال دیتا ہے

اللہ رب العزت ہماری اس دعا کو قبول فرمالے اور ہمیں گناہوں سے بچ کر اپنی رضا والی زندگی نصیب فرمادے۔ ہم بے قدرے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں قدردان بنا دے۔ ہم نے واقعی اللہ رب العزت کی وہ قدر نہیں کی جو کرنی چاہیے تھی۔ حیران اس بات پر ہوں کہ وہ ہم بے قدروں کو بھی نعمتیں دے دیتا ہے۔ وہ بڑے حوصلے والی ذات ہے جو ہمارے عیبوں کی ستر پوشی کر دیتا ہے اور ہمارے عیبوں کے باوجود لوگوں کی زبانوں سے ہماری تعریفیں کروا رہا ہے۔ پروردگارِ عالم آپ سب طلباء کی محنت کو قبول فرمائے، اساتذہ کی محنت کو قبول فرمائے اور ہم سب کو بحیثیت ایک جماعت کے قبول فرما کر اپنے مقرب بندوں میں شامل فرمادے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ